ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

مصعب بن سعد روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا تھا جو نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کا وقت ٹال کر پڑھتے ہیں۔ (حدیث)

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

جلد نمبر ۳۱

جمادی الأولیٰ-ذی الحجۃ ۱۴۲۶ھ
مئی-دسمبر ۲۰۰۵ء

شمارہ نمبر ۵-۱۲

مدیر مسؤل

ابو المکارم ازہری فلاحی

معاون مدیر

انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زر تعاون: ۹۰ روپے
☆ خصوصی زر تعاون: ۲۰۰ روپے
☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لئے: ۸۰ روپے
☆ اعزازی زر تعاون: ۱۰۰۰ روپے
☆ اس شمارہ کی قیمت: ۱۰ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

❖❖ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے ❖❖

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ **مجلہ حیات نو**، جامعۃ الفلاح
بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
Phone: 05466-225115

نقوش حیات نو

☆ **اداریہ :**

پیکر عمل بن کر غیب کی صدا بن جا	مولانا عزیز الحق عمری	۳

☆ **عظمت کی مینار :**

حضرت ام سلیمؓ	مولانا افتخار الحسن ندوی	۶

☆ **روشنی کا سفر :**

آمنہ امۃ اللہ	محمد متوکل فلاحی	۹

☆ **بحث و نظر :**

راہ اعتدال	مولانا محمد شعیب ندوی	۱۴
خدا کے محبوب بندوں کی پہچان	شاہ عالم فلاحی	۱۷

☆ **مقالات :**

دعوت و تربیت کا راز داں عمر تلمسانیؒ	مولانا افتخار الحسن ندوی	۲۱
سنن ابن ماجہ کے راوی ابو الحسن القطان	ظفر احمد اعظمی مکی	۲۶

☆ **علوم الحدیث :**

اصول درایت ایک جائزہ	انیس احمد مدنی	۳۰

☆ **مذاہب عالم :**

توریت میں بشارات محمد یہ ﷺ	ابو ظفر نبی فلاحی	۳۴
نبی اکرم ﷺ اور کاکی دستار	محمد متوکل فلاحی	۳۶

مہمان اداریہ

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو
پیکر عمل بن کر غیب کی صدا بن جا

مولانا عزیز الحق عمری

اس وقت دنیا میں اسلام کے نام پر بہت سے ادارے اور تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ بڑے بڑے سیمینار اور کانفرنسیں بھی ہو رہی ہیں لیکن مسلمانوں اور مسلم معاشرے میں اسی تناسب سے دین بیزاری اور بے راہ روی میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے جس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کچھ لمحے کے تدبر و فکر کے بعد ہر شخص اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ مسلم اداروں، تنظیموں، شاندار سیمیناروں اور علماء کی کثرت، دینی کتب کی بڑے پیمانے پر تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے باوجود مسلم معاشرے اور ہمارے نوجوانوں پر ان سب کا کچھ الٹا ہی اثر ہو رہا ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ اس بات پر غور و فکر کی ضرورت ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ وہ کون سے اسباب ہیں کہ کروڑوں روپے صرف کرنے اور نئے علماء کی پیداوار کے باوجود ہمارا سب منصوبہ نقش بر آب ہوتا جا رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس میں خود ہماری بری نیت کا دخل ہو؟

یہ بات درست ہے کہ انسان عالم الغیب نہیں ہے اور نہ اسے کسی کے ارادے کا علم ہو سکتا ہے، علیم بذات الصدور تو صرف اللہ کی ذات ہے یہ ہمارا عقیدہ و ایمان ہے۔ اور ہمیں اسلام نے کسی کے بارے میں سوء ظن کی اجازت بھی نہیں دی ہے بلکہ ہمیں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمانوں کے بارے میں حسن ظن رکھیں۔ پھر بھی کچھ اشارے اور آثار ایسے ہوتے ہیں جن سے یہ اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ اندرونی ارادے اور عقیدے کیا ہیں۔ اللہ سبحانہ نے "أرأيت الذي يكذب بالدين، فذلك الذي يدع اليتيم" میں یتیم کو دھکا دینے کو روز جزا کی تکذیب کا ثبوت قرار دیا ہے۔ ایسے ہی آثار سے کسی پوشیدہ چیز کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ کے وجود و الوہیت؛

ربوبیت کے جتنے بھی ثبوت وشواہد پیش کئے گئے ہیں وہ اس نظام کائنات کی تنظیم سے پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد اب ذرا اس بات پر بھی غور کیجئے کہ پہلے ہمارے مدارس کے نام مدرسہ فیض عام، دار العلوم، دار السلام، دار الحدیث وغیرہ ہوا کرتے تھے۔ اور اب ان کے نام صحابہ وصحابیات اور نامور ائمہ سلف اور محدثین کے نام پر رکھے جاتے ہیں جن سے مسلمان عقیدت رکھتے ہیں۔ اور ان ناموں کے ذریعہ مسلمانوں میں اداروں اور تنظیموں سے عقیدت پیدا کی جاتی ہے۔ گویا ہمیں خود اپنے اداروں کے کردار پر اعتماد نہیں ہوتا ورنہ کیا وجہ ہے کہ اب ان کے نام دار العلم اور دار العلوم وغیرہ نہیں ہو سکتے؟ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ ان ناموں کے ذریعہ بلند پایہ افراد کے کارناموں کو زندہ کیا جاتا ہے اور یہ بات کچھ درست بھی ہو سکتی ہے لیکن اسلام میں افراد کی ذات وشخصیت کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ ان کے کارناموں کو زندہ کرنے کے لئے ان کے کردار اور دینی جذبات پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جسے تربیت کے بغیر محض نام سے نہیں پیدا کیا جا سکتا۔

ایسے ہی بڑے بڑے سیمینار اور کانفرنسیں ہوتی ہیں تو سب سے اہم چیز جو سامنے آتی ہے وہ علماء کرام اور شاندار اسٹیجوں کی تصاویر ہوتی ہیں جو سب سے پہلے اخبارات ورسائل کی زینت بنتی ہیں، تجاویز وتقاریر کے کچھ جملوں کی اشاعت بھی ہوتی ہے۔ لیکن ان کے مسلم معاشرے اور نوجوانوں پر کون سے مثبت اثرات ہوتے ہیں؟ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں کتنے سیمینار اور کتنی کانفرنسیں ہوئیں جبکہ اس زمانے میں نہ قرآن کی اشاعت ہوئی اور نہ حدیثوں کی۔ نہ کاغذات تھے نہ پریس، پھر بھی پورا عرب، ایران، افریقہ وغیرہ صحابہ کرام کے دور تک اسلام کی آغوش میں آ گیا۔ یہ سب آتش پرست، بت پرست یا یہودی وغیرہ تھے۔ یہ سب غیر مسلم بلکہ اسلام کے دشمن تھے۔ لیکن اس وقت خود ہمارے سیمیناروں اور کانفرنسوں سے ہمارے مسلمان بھی جن کی پرورش مسلم والدین کی آغوش تربیت میں ہوئی ہے کوئی اثر نہیں لیتے۔ اسلام کے لاکھوں روپے صرف کر کے اگر مقاصد تک رسائی نہ ہو تو اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

ہمارے مسلم معاشرے کو نہ بڑے سیمینار اور کانفرنس کی ضرورت ہے نہ کتابوں کے بڑے ذخیرے کی بلکہ ایسے تربیت یافتہ اور باعمل افراد کی ضرورت ہے جو پائیدار عقیدہ وعمل کے حامل ہوں اور

ان کے ایمان اور عقیدے کی عکاسی ان کے سلوک وکردار سے ہو رہی ہو تاکہ وہ ہمارے معاشرے کے افراد اور نوجوانوں کے لئے نمونہ اور پیشوا ہوں اور ان کا اثر پورے مسلم معاشرے پر ہو، معاشرے کو تبدیل کئے بغیر محض سیمیناروں اور کانفرنسوں اور ذخیرہ کتب کی فراوانی سے ذہن تو بنایا جا سکتا ہے لیکن وہ معاشرہ نہیں بنایا جا سکتا جو کردار وعمل پیدا کرتا ہے۔ انسان کچھ بھی جانتا ہو اور سمجھتا ہو لیکن کرتا ہے وہی جو معاشرے میں ہوتا ہے اگر جماعات ومدارس ذہن وفکر دیتے ہیں تو معاشرہ عمل وکردار دیتا ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ معاشرے کی روش کے خلاف افراد کی بہتر فکر بھی بیکار ہو کر رہ جاتی ہے اور ایسا شخص یا تو معاشرے کا ساتھ دینے لگتا ہے یا معاشرے سے کٹ کر بدنام اور رسوا ہو جاتا ہے۔ بہت سی برائیاں اور بدعات جان بوجھ کر کسی معاشرے میں اس لئے کی جاتی ہیں کہ معاشرے میں ہوتی آ رہی ہیں بلکہ معاشرتی رسم کو نبھانے پر ہزاروں تنقیدیں ہو سکتی ہیں لیکن دین کی خلاف ورزی کو کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔

اس لئے جس روز معاشرے کے افراد خصوصیت سے نوجوانوں کو تربیت دے کر بدل دیا جائے گا تو ہمارا پورا معاشرہ خود بخود سدھر جائے گا۔ لیکن اس کے لئے پائیدار ایمان ویقین کی ضرورت ہے۔ سیمینار اور دھواں دھار تقریروں اور شاندار مقالات اور دلکش ٹائٹل کی کتابوں کی نہیں۔ بلکہ یہ ساری چیزیں یہ اشارہ کر رہی ہیں کہ اب ہم حسن کردار وعمل سے دور ان ظاہری اسباب کی طرف آ رہے ہیں جس نے ہم سے پہلے کی امتوں کو بت پرستی اور مورتیوں کی پوجا اور عقیدت تک پہنچا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے علما اور دعاۃ کو دعوت دین کا سچا شعور دے اور خلوص کی نعمت سے نوازے۔

(آمین)

☆☆☆☆☆

عظمت کی مینار

حضرت ام سلیمؓ

مولانا افتخار الحسن ندوی
استاذ حدیث
کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح

یہ وہ مائیں ہیں جن کی گود میں اسلام پلتا تھا
انہی غیرت سے انساں نور کے سانچے میں ڈھلتا تھا

اسلامی تاریخ کے روشن ابواب میں ام سلیم کی زندگی کے ایسے ایمان افروز واقعات محفوظ ہیں جن سے رہنمائی حاصل کر کے ہر دور کی مومن خواتین اپنی زندگی کی تیج کا ہیوں کو شادمانیوں کا گہر بار آبگینہ بنا سکتی ہیں۔

یہ ملحان بن خالد انصاری کی صاحبزادی اور خادم رسول حضرت انسؓ کی والدہ تھیں۔ ان کا اصل نام رمیلہ یا رمیصاء تھا۔ ان کے شوہر مالک بن نضر کی نگاہیں ابھی اسلام سے بیگانہ تھیں۔ لیکن خود ان کا دل ایمان و اسلام کا والہ و شیدا ہو چکا تھا۔ ابھی تک ان کے لخت جگر "انس" کی زبان نہیں کھلی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ اس کی زبان لا الٰہ الا اللہ پر ہی کھلے۔ اس لئے لحظہ بہ لحظہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی ایمانی روح اس کے دل میں اتارنے کی کوشش کرتیں۔ آخر کار بچے کی زبان اللہ ہی پر کھلی۔ سب سے پہلے اللہ کا نام ہی اس کی زبان پر رواں ہوا۔ وہ بہت خوش ہوئیں۔ خوشی سے ان کا چہرہ تو گلاب ہو گیا لیکن شوہر کی آنکھیں انگارے برسانے لگیں۔ وہ خفگی کے عالم میں گھر چھوڑ کر شام چلے گئے پھر لقمہ اجل ہو کر وہیں پیوند خاک بھی ہو گئے۔

شوہر کی وفات کے بعد متعدد لوگ نکاح کی آرزو لئے نیاز لے کر ان کے آستانہ ناز پر حاضر ہوئے۔ انھوں نے سب سے انکار کر دیا کیونکہ سب مشرک تھے۔ کسی مسلمان خاتون کی دینی غیرت اس

آنچ کو برداشت نہیں کر سکتی کہ کسی کافر و مشرک کو اپنا خاوند منتخب کرے۔ سب لوگ ناکام واپس لوٹ گئے۔ لیکن ابو طلحہ کی آرزو نے اپنی شکست تسلیم نہیں کی۔ وہ مختلف ترغیبات کے ذریعہ ان کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک دن زیادہ درپے ہوئے تو ان کی مومنانہ فراست نے دعوت دین پیش کرنے کا ایک موقع و بہانہ ڈھونڈ نکالا۔ پہلے ابو طلحہ کی خوب تعریف کی، ان کے چہرے پر اعتماد و اعتبار کی سرخی دوڑنے لگی تو وہ ان کے عقیدہ و عمل کی آلائشوں کو نشانہ بنا کر پے در پے ایسے تیشے چلائے کہ ان کی نفسیات ہزیمت خوردہ ہو کر ان کے آگے سرنگوں ہی ہو گئی۔ تب انھوں نے کہا:

ابو طلحہ! تم زیرک و ہوشمند ہو اور فیاض و بہادر بھی، پھر یہ کیسا اندھیر ہے کہ تم پتھروں کے آگے سر جھکاتے ہو، ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہو، ان ہی کو نفع و ضرر کا مالک سمجھتے ہو۔ میں سوچتی ہوں کہ تمہارے عقیدہ و عمل کی غلاظت کو اپنے سر کا تاج بنا لوں تو اپنے قلب و روح کی طہارت کو کہاں لے جا کے دفن کروں گی۔

ابو طلحہ! بتاؤ تم اندھیروں اجالوں کی تمیز کیوں کھو بیٹھے۔ اس عظیم الشان کائنات میں پتھروں کو ہی زندگی کے خیر و شر کا مالک کیوں سمجھتے ہو، تم تقدیر کے مد و جزر کا رشتہ ان کی خوشی و ناخوشی سے کیوں جوڑتے ہو، جو پتھر بے حس و حرکت ہیں؟ کیوں باور کرتے ہو کہ چاند سورج کے طلوع و غروب کا نظام ان ہی کے ہاتھوں میں ہے؟

ابو طلحہ! سوچو، اور اندھیروں کا حصار توڑ کر اسلام کے اجالوں میں آجاؤ۔ اگر تم اسلام کو گلے لگا لو تو میری محبت تمہیں گلے لگا لے گی۔ اسلام کو گلے لگا کر تمہاری تمنائے نکاح باوضو جائے گی۔ پھر تو میں تمہاری ہوں اور بغیر مہر کے تمہاری ہوں، تمہارا اسلام ہی میرا مہر ہے۔ ایسا مہر جس پر تا حیات مجھے فخر و ناز ہوگا اور اسی کو متاع ایمان و عمل کے بطور خدائے لم یزل کی بارگاہ میں پیش کروں گی۔ شاید یہی اس کی رضا کی جنت کا وسیلہ بن جائے۔

ابو طلحہ دم بخود سنتے رہے۔ ان کے دل کے تاروں سے بار بار کسی انہونی نغمے کے سُر ٹکراتے رہے اور وہ جذبات کے تموج سے کھا کھا کے زیر و زبر ہوتے رہے۔ یکایک وہ انہونی نغمہ ان کے دل کی آواز ابھر کر لفظ بن گئی: "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

ام سلیم کامیاب ہو گئیں۔ تاریخ آگے بڑھی، ام سلیم کا نام محفوظ کر لیا۔ ابو طلحہ کے تمام مجاہدانہ کارنامے، مومنانہ زندگی کے ان کے شب و روز، ان کی عبادت و ریاضت کے تمام اجر و ثواب ان کی مہر کے یادگار بن گئے۔

دنیا میں بڑے بڑے مہر پر بھی شادیاں ہوتی ہیں۔ زر و جواہر کے انبار اور لعل و گہر کے انبوہ بھی عورتوں کے مہر قرار پاتے ہیں لیکن ایک مسلمان خاتون کی نگاہ بلند سیم و زر کی تابانیوں سے گزر کر اللہ کی رحمت کے اجالوں کو اپنا مرکز دل و نگاہ بناتی ہے۔ وہ تہی دست نیکوکاروں کا انتخاب کر کے ایسا مومن گھر بساتی ہے جو الٰہ الا اللہ کی حقیقی تربیت گاہ ہوتا کہ دنیا والوں سے زیادہ آسمان والے اس کی تعریف کریں۔ دیکھئے ام سلیم نے اپنے بچے کی تربیت کس طرح کی اور پھر کچھ کام کاج کے لائق ہوئے یا کچھ سیکھنے سکھانے کی عمر آئی تو ان کو لے کر کسی نرسری کا رخ نہیں کیا جہاں عیسائی تہذیب کو بچوں کے مزاج میں ڈھالا جاتا ہے، بلکہ ان کا مزاج دینی و اسلامی بنانے کے لئے ان کو دس برس کی عمر میں لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ پہلے عرض تمنا کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملی تو اظہار تمنا یوں کیا:

حضورؐ! آپ مدینہ تشریف لائے تو انصار خانوادے کے ہر فرد نے آپ کو کوئی نہ کوئی تحفہ پیش کیا۔ میں بے نوا ہوں، میرے پاس ایسا کچھ نہیں جو آپ کو پیش کر سکوں۔ حضورؐ! اللہ کا دیا بس یہی لڑکا میرے پاس ہے۔ میری تمنائے سعادت برآئے اگر آپ اس کو قبول فرمائیں۔ یہی لڑکا بطور تحفہ آپ کی نذر کرتی ہوں، قبول فرما لیجئے، آپ کو ایک خادم کی ضرورت بھی ہے۔

☆☆☆☆☆

روشنی کا سفر

آمنہ امۃ اللہ

Aminah Amatullah

ترجمہ تلخیص: محمد سموئیل
ایم اے انگلش

میں ۱۹۶۸ء میں پیدا ہوئی اور جرمنی کے ایک قدرے بڑے شہر ہنور Hanover میں پروان چڑھی۔ میرا تعلق ایک عیسائی پروٹسٹنٹ خاندان سے ہے۔ شروع سے میرا خدا پر یقین تھا تاہم میں نے اپنے آپ کو کبھی بھی مذہبی تصور نہیں کیا۔ جب کبھی بھی میں نے عبادت کی تو عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بجائے ہمیشہ خدائے واحد کی کی۔ میں کبھی بھی چرچ نہیں گئی اس لئے کہ میرا ماننا تھا کہ عبادت اور دعا وغیرہ آپ گھر پر بھی اسی طرح کر سکتے ہیں جس طرح سے ایک آدمی چرچ میں جا کر تا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

تیس سال کی عمر میں میری شادی ایک کیتھولک گھرانے میں ہوئی۔ اور میں تین ہونہار بچوں کی ماں بھی بنی۔ میں نے اپنے بچوں کو ہمیشہ اس بات کی تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہوتا ہے اور وہ انسان کی اپنے فرشتوں کے ذریعہ حفاظت کرتا ہے۔ البتہ شادی کے بعد میں کچھ اداس رہنے لگی اس لئے کہ میرے تئیں میرے شوہر کے عادات و اطوار میں دھیرے دھیرے تبدیلی آنے لگی اور اس طرح سے ایک دن ہمارا رشتۂ ازدواج ٹوٹ بھی گیا اور مجھ کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ شادی کے بعد اس دنیا میں میں نے ہر چیز کھو دی ہے۔

یہ ۱۹۹۸ء کا سال تھا جب میرے شوہر کا خاندان تجارت کی غرض سے مشرقی جرمنی کے ایک چھوٹے سے قصبے ورنِگ روڈ Wernig Rode منتقل ہوا۔ اور میں اب بھی یہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح سے اپنے ازدواجی رشتے کو ٹوٹنے سے بچا لوں۔ جب میرا سب سے چھوٹا بچہ .K.G میں داخلے کے لائق ہو گیا تو میں نے بھی نوکری کر لی۔ میرے دوستوں میں ایک مسلم بھی تھے جو بظاہر با عمل مسلم نہیں تھے مگر مجھ کو کبھی اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ کس طرح سے انھوں نے اسلامی عادات و اطوار سے

متعلق کچھ باتیں میرے اندر ڈال دی ہیں۔ تقریباً ایک سال بعد میں نے اپنے اندر کچھ تبدیلی محسوس کی اور اب میں نے کسی بھی چیز یا بات کو عقل و دانش کی روشنی میں قبول کرنا شروع کر دیا ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ مجھ کو ایسا محسوس ہوا کہ ہر چیز خدا کی بنائی ہوئی ہے اور اس طرح سے دھیرے دھیرے میں نے اپنے آپ کو اندر سے مضبوط پایا۔ تقریباً دو سال بعد ہم میاں بیوی کے درمیان طلاق واقع ہو گئی اور مجھے اپنے شوہر سے جدا ہونے پر بہت زیادہ اندیشہ اور ڈر محسوس ہونے لگا اس لئے کہ میرا ماننا تھا کہ اس دنیا میں اپنے تین بچوں کے ساتھ کس طرح سے زندہ رہ سکتی ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہر کام بڑے ہی پُر اسرار اور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

کچھ مہینوں بعد اس وقت مجھے خدا کے اس فیصلے کی حکمت تھوڑی بہت سمجھ میں آنے لگی جب پہلی مرتبہ انٹرنیٹ تجربے سے میں دوچار ہوئی۔ میری ملاقات انٹرنیٹ پر ایک ایسے آدمی سے ہوئی جس کے بارے میں مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ مسلم ہے۔ الحمدللہ میری نئی زندگی میں وہ بہت ہی اہم آدمی ثابت ہوا۔ ہم نے اپنی تصاویر کا بھی تبادلہ کیا۔ وہ ہمیشہ میری مدد کے لئے اپنے ہوم پیج Home Page پر موجود رہتا تھا۔ اس کی سائٹ Site پر مجھے دو خاص چیزیں ملیں۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام تھے جو میں نے نہ تو کبھی سنا تھا اور نہ کبھی پڑھا تھا اور دوسرے قرآن مجید تھا۔ میں نے اس آسمانی صحیفے کا مطالعہ شروع کیا اور جتنا زیادہ میں پڑھتی جاتی تھی اتنا ہی متاثر ہوتی جاتی تھی۔ اس طرح سے میں نے اپنے ملک جرمنی میں قرآن مجید کا جرمن ترجمہ تلاش کرنا شروع کیا۔ میرے اس مسلم بھائی کا نام عبدالرحمن تھا جن کو جرمن زبان میں قرآن کے ترجمہ کا علم نہیں تھا۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ میں قرآن کا مطالعہ کر رہی ہوں تو وہ سن کر بے حد خوش ہوئے۔

بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ امریکہ U.S.A چھوڑ کر مقدونیہ Macedonia چلے گئے ہیں البتہ انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ پہلے کی طرح اب بھی میرے ساتھ رابطہ میں رہیں گے اور الحمدللہ انھوں نے اپنے وعدہ پر عمل بھی کیا۔ اور ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اپنے ان مشکل حالات میں بھی میں بے حد خوش تھی۔ یہ میری زندگی میں پہلا موقع تھا کہ میں ایک ایسے شخص کے لئے پریشان تھی جس کو ماضی میں کبھی بھی نہیں دیکھا تھا البتہ میں ان کے اور ان کے خاندان کے لئے ہمیشہ دعا کرتی رہی۔

میں اسلام کے بارے میں اپنے علم کو بڑھانے کے لئے برابر کوشاں رہی اور اتنی زیادہ دوری کے باوجود میرے اس مسلم بھائی نے میری ہر طرح سے حوصلہ افزائی جاری رکھی اور اپنے مفید مشورے دیتے رہے۔ خدا کے تئیں میرے اس نئے عقیدہ نے میری زندگی میں بہت ساری تبدیلیاں لانے میں میری مدد اور حوصلہ افزائی کی۔ میں نے اپنے شوہر کو چھوڑ دیا اور باقاعدہ ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ یہ میری زندگی میں بہت مشکل وقت تھا مگر میں نے ہمیشہ محسوس کیا کہ خدا میرے ساتھ ہے۔

میں اس دن کو بھی نہیں بھولوں گی جب میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ میرے بچوں کو گھر سے باہر ایک بہت ہی لاغر و نحیف بلی کا بچہ ملا اور ہم ماں بیٹوں نے اس بچے کو بچانے کی کوشش بھی کی۔ ایک ہفتہ تک وہ بچہ یوں ہی رہا۔ ایک رات جب میں نیند سے بیدار ہوئی تو میں نے اس بلی کے بچے کو مردہ پایا۔ اس کا جسم اب بھی گرم تھا۔ اور میں اس کی موت پر بہت غم زدہ ہوئی۔ میں نے اللہ سے شکوہ کیا کہ آخر اس نے اس کمزور و ناتواں مخلوق کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ پوری رات جاگتے رہنے کے بعد صبح میں مجھے محسوس ہوا کہ یہ خدا کی مرضی تھی۔ وہ ہر ایک کو زندگی دیتا ہے اور اسے واپس لینے کا بھی حق رکھتا ہے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب مجھے اس خدائے ذوالجلال پر ایمان لے آنا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ نے اس بلی کی موت میرے لئے ایک نشانی کے طور پر بھیج دی تھی۔ لیکن میری بدقسمتی یہ تھی کہ اس قصبے میں کوئی مسلم کمیونٹی سنٹر نہیں تھا جہاں پر جا کر باقاعدہ اسلام قبول کرتی اور اپنے مسلم ہونے کا اعلان کرتی۔ اسلام قبول کرنے کے لئے مجھے مغربی جرمنی کے ایک قصبے براؤنچ ویگ Braunschweig جانا پڑا۔ اس قصبے کے اسٹیشن پر ہی میری ملاقات کچھ مسلم بھائیوں، بہنوں اور اس سنٹر کے امام سے ہوئی۔ میری ٹرین لیٹ تھی اور وہاں پر رکنے اور مسجد جانے کے لئے میرے پاس وقت نہیں تھا اس لئے کہ اسی وقت مجھے اپنے آبائی قصبے بھی واپس آنا تھا۔ اس لئے میں نے اسٹیشن پر ہی کلمہ شہادت ادا کیا۔ کلمہ شہادت ادا کرنے سے پہلے وہیں پر ہماری ایک مسلم بہن نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم کو ایسا محسوس ہوگا گویا تمہارا اس دنیا میں دوبارہ جنم ہوا ہے۔ اور الحمدللہ اس کا یہ جملہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ اس مغربی معاشرے میں میرے لئے اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا اور اپنے بچوں کی اسلامی خطوط پر پرورش کرنا کافی مشکل تھا مگر میں نے اپنی کوشش جاری

رکھی۔

جب میں نے اپنے خاندان کے لوگوں اور دوستوں سے اپنے قبول اسلام کے بارے میں بتایا تو تمام لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ اور مجھ سے گفتگو کرنے سے بھی انکار کردیا۔ صرف میری ماں اور میرے چھوٹے بھائیوں نے مجھ سے رابطہ اور گفتگو جاری رکھی۔ مجھے لوگوں کے اس طرز عمل پر بڑا دکھ ہوا مگر میں نے اپنے خاندان یا دوستوں کی وجہ سے اس متاع گمشدہ کو چھوڑنے سے انکار کردیا۔ میرے مسلم بھائی اور دوست عبدالرحمن نے مجھ سے کہا کہ رشتہ داروں ودیگر اہل خانہ کو بھی تمہارے بارے میں سمجھنے میں کافی وقت لگے گا۔ اور ان کا کہنا درست تھا۔ اب بھی میرے والد محترم کی سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا اور حجاب پہننے کا فیصلہ کیوں کیا۔ انھوں نے کہا کہ تم پیدائشی طور پر مسلم تو نہیں تھی اور اسلام تمہارا کلچر بھی نہیں تھا۔ ان شاء اللہ مجھے امید ہے کہ ایک دن وہ بھی ضرور اس سے واقف ہوجائیں گے کہ اسلام ہی واحد دین فطرت ہے۔

اس طرح ۲۰۰۱ء میں جب میں نے اسلام قبول کیا تو کسی نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ کون سا یا کس طرح کا لباس اور حجاب مجھ کو پہننا چاہئے۔ میں اپنے عادات و اطوار اور لباس میں دھیرے دھیرے تبدیلی لے آئی اور تقریباً قبول اسلام کے ایک سال بعد میرے اندر شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اب حجاب پہننا چاہئے مگر افسوس کہ اس وقت بھی ایسا نہ کرسکی۔ اسی دوران میری کچھ مسلم بہنوں نے مجھے برانچگ Braunschweig نامی مقام پر عیدالفطر کے موقع پر مدعو کیا۔ میں نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور زندگی میں پہلی مرتبہ حجاب کے ساتھ گھر سے باہر نکلی۔ مجھے عجیب و غریب محسوس ہوا اور اس بات پر پریشان تھی کہ کیا مجھ کو حجاب برابر استعمال کرنا چاہئے یا نہیں اس لئے کہ میں اپنے بچوں کا مستقبل خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اس قصبے میں میں واحد مسلمان عورت تھی۔ میں نے اپنی بہنوں سے اس سلسلے میں گفتگو کی اور وہ سب اس بات پر متفق ہوگئیں کہ فی الحال مجھے مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔ کچھ دنوں تک برابر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بعد میں نے دوبارہ حجاب استعمال کرنا شروع کردیا اور الحمدللہ آج میں اس قصبے میں گزشتہ دو سال سے برابر حجاب پہن رہی ہوں اور مجھے اپنے اس فیصلہ پر ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہے۔ آج میں گھر سے باہر بغیر حجاب کے نکلنے کا تصور بھی نہیں

کرسکتی۔ لوگ آج بھی مجھے اس حالت میں دیکھ کر گھورتے ہیں اس لئے کہ لوگ اس قصبے میں کسی خارجی یا ایسی عورت کو دیکھنے کے عادی نہیں جو کسی مسلم ملک سے تعلق رکھتی ہو یا جو حجاب استعمال کرتی ہو۔ بسا اوقات لوگ مجھے حجاب میں ترک خاتون سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اس لئے کہ جرمنی کے دوسرے شہروں میں ترکوں کی خاطر خواہ آبادی پائی جاتی ہے۔ لیکن جب کبھی بھی مجھے کسی سے اسلام کے بارے میں، اسلامی معاشرہ میں عورت کے رول اور کردار کے بارے میں گفتگو کا موقع ملتا ہے میں بلا جھجک گفتگو کرتی ہوں۔ مجھے ایسا کرنا بھی چاہئے اس لئے کہ میں اس قصبے میں واحد مسلم ہوں اور مجھے مسلمان ہونے پر فخر بھی ہے۔

آخر میں مجھے یہ بات ضرور کہنی چاہئے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کبھی بھی مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوا۔ ہاں البتہ یہ صحیح ہے کہ اس طرح کے غیر مسلم معاشرہ میں اسلام پر عمل کرنا ضرور تھوڑا بہت مشکل کام ہے۔ اور یہ حقیقت بھی مجھے تسلیم کرنی چاہئے کہ قبول اسلام سے پہلے کبھی بھی میں اتنا خوش اور مطمئن نہیں تھی جتنا الحمدللہ آج ہوں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے بھائی عبدالرحمن کے روپ میں میری رہنمائی کے لئے ایک فرشتہ بھیج دیا اس لئے کہ انہیں کی کوشش اور مدد سے میں اپنی زندگی میں صحیح اور سچا راستہ پانے میں کامیاب ہوسکی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام بھائی اور بہنوں کو جزائے خیر سے نوازے جنھوں نے اس راہ میں میری مدد کی اور الحمدللہ آج بھی برابر کسی نہ کسی طرح کر رہے ہیں۔

(آمین) (بحوالہ: الدعوۃ، الریاض دسمبر ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بحث و نظر

راہِ اعتدال

مولانا محمد شعیب مدنی

مسلمانوں کے درمیان آپسی اختلافات، بغض و عداوت اور مختلف گروہوں میں منقسم ہونے کو کس طرح ختم کرنا ممکن ہے یہ عصرِ حاضر کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ جس سمت نظر دوڑائیے لوگ گروہوں اور ٹکڑیوں ٹولیوں میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور معاملہ اس نقطہ پر ہی ٹھہرتا تو بھی بسا غنیمت تھا اس سے بڑھ کر ایک دوسرے کے خلاف محبت کی جگہ نفرت، تکریم کی جگہ تذلیل، تعاون کی جگہ تباعد کی روش ہے۔

اس افتراق کا حل اگر اختصار سے بیان کیا جائے اور نبی کریم ﷺ کے جوامع الکلم میں تلاش کیا جائے تو صرف دو لفظوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "ھلک المتنطعون" (غلو کرنے والے ہلاک ہوئے۔) اس حدیث کو امام مسلم، ابوداؤد، احمد بن حنبل نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ آپؐ نے اس جملے کی اہمیت کے پیشِ نظر تین بار دہرایا۔

امت کے اندر یہ نقص و کمزوری بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کچھ افراد نے اپنی رائے اور اپنے طریقہ کو اس مضبوطی و یقین سے پکڑا کہ دوسری تمام آراء کو غلط قرار دے دیا اور ان کے ماننے والوں کو گمراہ و کافر تک قرار دے دیا جبکہ دوسری مخالف رائیں دلیل و برہان پر قائم ہوئیں، اپنی رائے کو مقیاس و میزان ٹھہرایا۔ گویا وہی کتاب و سنت و اسلام کے معیار ہیں۔ اس طرح شیطان نے ایسے لوگوں کو راہِ حق سے دور کر دیا۔ (ان الشیطان للانسان عدو مبین) اور قرآن کے صریح اور واضح حکم کو ترک کر دیا۔ قرآن حکم دیتا ہے: "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا و اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً" (آل عمران: ۱۰۳) واضح

نصوص کو ترک کر کے اجتہادی امور کو بنیاد بنا کر تفریق اختیار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

نبی کریم ﷺ سے ماقبل زمانہ پر نظر ڈالنے سے بات اور واضح ہوتی یہود و نصاریٰ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تحریفات کر کے مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے اور ایک دوسرے سے متحارب و برسرِ پیکار ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتایا کہ آپ کا ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ "ان الذین فرقوا و کانوا شیعاً لست منھم فی شئ" (انعام: ۱۵۹) مومنین کو ان کے واقعات سے عبرت و نصیحت اور موعظت حاصل کرنے کا حکم ہوا ہے۔ "لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب" (صف: ۱۱۱) روشنی، ہدایت، صحیح راستہ مل جانے کے بعد ہرگز یہود و نصاریٰ کے مانند افتراق و تشتت کا شکار نہ ہونا ورنہ تمہارے لئے بھی عذاب عظیم ہے۔ "ولا تکونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا من بعد ما جاءھم البینات و اولئک لھم عذاب عظیم یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ"۔ (آل عمران: ۱۰۵)

علماء عظام کے اجتہادات متعدد و مختلف ہو سکتے ہیں اور عملاً ہوتے بھی ہیں۔ مثلاً جسم سے خون نکلنا ایک اجتہاد کے مطابق ناقض وضو ہے اور دوسرے اجتہاد کے مطابق ناقض وضو نہیں ہے۔ فقہی کتب میں اس طرح کے مسائل بکثرت دیکھے جا سکتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ متعدد گروہوں میں منقسم ہو جائیں اور حق و باطل کی جنگ شروع کر دیں، مجادلے و مناظرے شروع ہو جائیں، تحقیر و مباہات، مذاق و استہزاء ہونے لگے۔ یہ سب اسلامی تعلیمات کے صریح خلاف ہیں۔ ہمارے لئے نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں صحابہ سے ایک مرتبہ فرمایا "لا یصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظۃ" چنانچہ کچھ صحابہ کرام نے بنی قریظہ پہنچنے کی کوشش کی اور سورج غروب کے قریب ہو گیا اور ادھر لوگوں کا سفر جاری ہے۔ کچھ صحابہ نے اس حکم کا مفہوم عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنے کا نکالا اور راستہ میں نماز نہیں پڑھی منزل پر پہنچ جانے کے بعد قضاء عصر کی نماز ادا کی اور کچھ دوسرے صحابہ نے اس حکم کا مفہوم جلدی کرنے پر محمول کیا اور سورج غروب ہونے سے قبل راستہ ہی میں نماز پڑھ لی۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا، آپ نے دین میں وسعت باقی رکھنے کے لئے کسی کی توبیخ نہیں کی۔ عبداللہ بن عمر سے منقول ہے "فما عنف واحدا من الفریقین"

(کسی بھی فریق کی سرزنش نہیں کی)۔ یہ واقعہ ہمارے لئے اسوہ ہے۔اسی منہج پر زندگی استوار کرنی ہے۔ واضح احکام میں صریح نصوص میں اختلاف برداشت نہیں، اجتہادی مسائل میں اخلاص اور اتباع دین کے جذبات کے ساتھ ایک رائے سے زائد ہونا نقصاندہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کا ادراک، فہم معاشرے کی صالح تعمیر و دوام میں بے حد ضروری ہے۔

اسلام کے ابتدائی ادوار میں ائمہ دین کا آپس میں اختلاف کرنے کے باوجود ایک دوسرے کا احترام، آپسی تعاون، ہمدردانہ رویہ تھا۔ امام مالک امام شافعی کی کس قدر عزت کرتے تھے اور امام شافعی امام احمد کی کس قدر عزت کرتے تھے تاریخ گواہ ہے۔ امام یوسفؒ جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں امام شافعی کی کتنی عزت کرتے تھے ان کو اپنی تمام کتب کا ہدیہ دیا اور محبت وضیافت کا معاملہ کیا۔

امام مالکؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الموطا'' تصنیف فرمائی، اس وقت کے حکمران الرشید نے تمام لوگوں کو اس کتاب کے احکام پر تابع بنانا چاہا، تو امام نے خود اس کی مخالفت کی اور کہا اسلام اس کتاب سے وسیع ہے۔ یہ جواب اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتا ہے اور غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

اجتہادی مسائل میں مسلمانوں کا مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے سے دشمنی کرنا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔ اسلام مذاہب اربعہ سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ امام شافعی امام متبوع کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود اپنے بہت سے فتوے اپنی زندگی میں بدل ڈالے اور وہ مذاہب قدیم اور مذاہب جدید سے موسوم ہو گئے۔ ''ظهر الفساد في البر و البحر بما كسبت أيدي الناس'' حقیقت سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر نفس کی ذمہ داری ہے۔

☆☆☆☆☆

مقالات

خدا کے محبوب بندوں کی پہچان

شاہ عالم فلاحی

اللہ تعالیٰ کی کتاب اس مسلمہ حقیقت پر شاہد ہے کہ انسان بے پناہ قیمتی اور نہایت شاندار صلاحیتوں اور خوبیوں کا مرکب ہے۔ انسانی تاریخ میں اس کے بین ثبوت تاریخ کے علمی اوراق پر مرقوم محفوظ ہیں کہ کتنے مرد و عورتوں کی مخفی صلاحیتوں و خوبیوں کو غم و الم، ابتلاء و آزمائش و مسائل و شدائد کی بارش نے چمکا کر انسانوں کے سامنے عیاں کر دیا ہے۔ یہ وہ محرکات و اسباب ہوتے ہیں جو انسانی دلوں میں پوشیدہ و مخفی رازوں کو کھولنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی وہ پوشیدہ جوہر ہے جس سے گردش دوراں کے سامنے ڈٹنے اور ان پر غلبہ کے حصول کے لئے نہایت عمدہ اور حوصلہ افزا تعاون ملتا ہے۔ اسی کی وجہ سے امتحان و آزمائش کی راہوں میں قدم رکھنے اور اس کے جان لیوا مطالبات کو پورا کرنے کا ہتھیار فراہم ہوتا ہے۔ آنحضورﷺ کا یہ ارشاد شدائد و آلام، حزن و غم، ابتلاء و آزمائش کی اہمیت کو پوری طرح اجاگر کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا: ''الحزن رواني''۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے:

بادِ تند حوادث سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

تاریخ کے روشن صفحات پر ایسے اشخاص کے نام محفوظ ہوتے ہیں جو ابتلاء و آزمائش، غم و الم، مایوسی و ناامیدی کے عالم میں زندگی کے میدان میں نہایت عزت و عظمت، طاقت و قوت اور شعور و دانائی سے مسلح ہو کر حالات کی سختیوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ نہایت سنگین آفتوں اور مصیبتوں کے شر سے اپنی جانوں اور دوسرے انسانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی افراد ہوتے

ہیں جن کی تمام سرگرمیوں کا مقصود پیٹ کی بھوک مٹانا اور آسائش حیات کا حصول ہوتی ہے۔ ملت کے ایسے افراد جب اسلام کو خارجی و داخلی دشمنوں کے نرغے میں دیکھتے ہیں تو انسانوں کی بھیڑوں میں گم ہو جاتے ہیں اور حالات کی سختیوں اور اس کے مطالبات سے راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ افراد جو ان لوگوں سے کسی بھی پہلو سے زندگی کی بھاگ دوڑ میں حریف و مد مقابل نہیں ہوتے ہیں وہی میدان کارزار اور معرکہ حق و باطل کے وقت ثابت قدم رہتے ہیں۔ ان کے عزائم ستاروں کی طرح بلند ہوتے ہیں۔ ان کے دل محبت الٰہی سے لبریز ہوتے ہیں اور ہر آن اللہ کی حمد و ثنا و ذکر و دعا کے ترانے ان کی زبانوں پر ہوتے ہیں۔ خدا کی خشیت و ڈر سے ان کی آنکھوں سے آنسو ان کے رخساروں پر بہتے ہیں اور امید و رجا کا دامن وہ لوگ ہمیشہ تھامے رہتے ہیں۔

یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے یا انسانوں کی بدنصیبی کہ زمانہ ان کی اہمیت و افادیت سے نا آشنا رہتا ہے۔ وقت کے فرعون ان کو نہایت برے القاب سے مشتہر کرتے ہیں اور دنیائے انسانیت ان کی قدروں کو جاننے سے قاصر رہتی ہے۔ ان کے وجود کا خلا ایسے وقت محسوس ہوتا ہے جبکہ وہ اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہوتے ہیں۔

زندگی کے جن مرحلوں پر ان کی ضرورت ہوتی ہے وہاں سے ان کو بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ معرکہ حق و باطل کے وقت یہ اگلی صفوں میں نظر آتے ہیں اور غنائم کی تقسیم کے وقت مجہول ہوتے ہیں اور جن کا معرکہ حق میں ذرا بھی حصہ نہیں ہوتا وہی اس خزانے کے مالک بن جاتے ہیں۔ یہ امت کے ایسے لائق و فائق سپوت ہوتے ہیں جو کبھی سعی و جہد سے نہیں گھبراتے اور نہ امید کا دامن چھوڑتے ہیں۔ ذلت و پستی کبھی ان کا حصہ نہیں ہوتی کیونکہ جو ان کے مقدر میں ہوتا ہے اسے پوری ثابت قدمی اور دل جمعی سے انجام دیتے ہیں اور اپنے مال و متاع کو راہ اسلام میں لٹانے سے ذرا بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور اپنی کوشش کرنے کے بعد بے جا خود اعتمادی کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اپنوں اور غیروں کے مسائل کے حل کے لئے اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں اور اللہ سے مسلسل دعائیں کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ رحمت الٰہی سے کبھی مایوس نہیں ہوتے کیونکہ خدا کی قدرت کاملہ پر ان کو مکمل اعتماد ہوتا ہے۔ ان کے قلوب جوارح خدا کے سامنے پست اور اعتماد و یقین کی سچی تصویر ہوتے ہیں۔ تقدیر پر کبھی شاکی نہیں

ہوتے۔ جو کچھ ملتا ہے اس پر قناعت و صبر کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ صبر و شکر کی سچی تصویر اور ہر حالت میں خوش و مسرور رہتے ہیں۔ امید کی کرنیں ہر آن ایک نئی شان کے ساتھ ان پر جلوہ فگن ہوتی ہے اور مسلسل سعی و کوشش سے یہ لوگ نہایت دشوار اور ناممکن الحصول مقاصد کو پا لیتے ہیں۔ زندگی کی دوڑ میں یہ خدا کے اصول و ضوابط کا ہمیشہ پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ خدا کی نصرت ہمیشہ ان کے شامل حال ہوتی ہے کیونکہ خدا اپنی فوج کو کبھی نامراد نہیں کرتا اور اس کی راہ میں مخلص جد و جہد کرنے والے کبھی ناشاد نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ شریعت کے احکامات پر کاربند ہوتے ہیں اور رسول ﷺ کی حیات مبارکہ ان کی زندگی کا سب سے عظیم نمونہ ہوتی ہے۔

یہ اپنی قربانیوں کا صلہ کسی انسان سے نہیں چاہتے اور صرف اپنے خالق و مالک کی ازدواں رحمت یعنی "جنت عدن" کے جویا ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی علامہ اقبال کے اس شعر کی سچی ترجمان ہوتی ہے:

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

یہ امت اسلامیہ کا جوہر ہیں اور امت کے لوگوں کی تربیت و اصلاح ان کا فریضہ ہے۔ کیونکہ عوام الناس کے خوابوں کی تکمیل ان کے جہد پیہم میں پوشیدہ ہے۔ یہ ایسا شمر ور درخت ہوتے ہیں جس کی جڑیں زمین کے اندرون میں پیوستہ ہوتی ہیں اس کی لمبی اور گھنی ہری شاخیں فضا کی وسعتوں میں پھیلی ہوتی ہیں جس سے ہر محتاج مستفید ہوتا ہے۔ ان کے وجود سے انسانی زندگی کی تنظیم ہوتی ہے۔ یہ لوگ انسانی دلوں کے اندر خدا کی عطا کردہ نعمتوں اور انعامات کا احساس و شعور پیدا کر کے ان کے اندر شکر و احسان شناسی کا جذبہ پیدا کرتے ہیں کیونکہ انھیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ:

"لئن شکرتم لازیدنکم" (القرآن)

جب کوئی سماج و معاشرہ ایسے نفوس قدسیہ سے محروم ہو جاتا ہے جن کے وجود سے انسانوں کی اصلاح و تربیت ہوتی ہے تو بد دینوں اور بد خصلت لوگوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اشرار و فاجروں کا غلبہ ہوتا ہے اور انسانی مسائل حد درجہ پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ ہر چہار جانب شورش و فساد کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اور

انسانیت وشرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ ہر ذی روح امن وآشتی، عدل وانصاف کے لئے تڑپ تڑپ کر مرنے لگتا ہے۔

کسی سماج، قوم، ملک کی صحیح سمت میں ترقی وارتقاء کے لئے ضروری ہے کہ انسانی مسائل کی باگ ڈور ان افراد کے ہاتھوں میں ہو جو حقیقی مصلح ہوں۔ ایسے حکمرانوں سے اصلاح وتربیت کی امید بے معنی ہے جن کی ذات خود ہی اصلاح وتربیت کی بے حد محتاج ہو۔

یہ مختصر سا پیغام ملت اسلامیہ کے ان تمام مخلص اور باوفا افراد کے نام ہے جو زندگی کے کسی بھی شعبہ میں متحرک اور سرگرم عمل ہیں کہ وہ لوگ اپنا تعمیری اور قابل تعریف کردار ادا کریں تاکہ امت اسلامیہ اپنی موجودہ شکست وریخت، ادبار وپستی سے نکل کر ازسر نو ترقی اور اسلام کی بیداری کی راہ پر گامزن ہو۔ دنیا کے مختلف ملکوں اور گوشوں میں رہنے والے مسلمان خصوصاً اور مظلوم انسانوں کو قرار نصیب ہو۔ ان کے جائز حقوق انھیں نصیب ہوں اور دنیا ازسر نو اس پیغام سے آشنا ہو جس کی آبیاری آنحضور ﷺ اور آپؐ کے اصحاب نے اپنے گرم لہو سے کی تھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس امت مرحومہ کو بھی اسلامی نشاۃ ثانیہ سے شاد کام کرے۔ (آمین ثم آمین)

(عربی سے ماخوذ)

☆☆☆☆☆

مقالات

دعوت وتربیت کا رازداں

عمر تلمسانیؒ (۱)

مولانا افتخار الحسن ندوی

اخوانیوں کے مرشد حسن البنا کی شہادت کے بعد حسن الہضیبی اخوان کے دوسرے مرشد عام ہوئے۔ نومبر ۱۹۷۳ء میں ان کی رحلت کے بعد اس تحریک دعوت وجہاد کا قافلہ سالار عمر تلمسانیؒ کو بنایا گیا۔ انھوں نے مرشد عام کا منصب سنبھالا تو حق کی فتح یابی تک باطل سے نبرد آزمائی کے لئے جذبہ شہادت کو یوں آواز دی:

فصیل دار پہ چھٹتے رہو سروں کے چراغ
جہاں تک یہ ستم کی سیاہ رات چلے

داعی اسلام عمر عبد الفتاح بن عبد القادر مصطفی تلمسانی کا خمیر اگرچہ خاک الجزائر سے اٹھا، جیسا کہ تلمسان کی جانب نسبت سے واضح ہوتا ہے، جو الجزائر کا علاقہ ہے۔ لیکن تقدیر الٰہی نے نیل کی موجوں کو آپ کا گہوارۂ پیدائش بنایا۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں قاہرہ کی سرزمین پر آپ نے زندگی کی پہلی صبح دیکھی۔ آپ کے والد اور دادا نے نگینوں اور کپڑوں کی تجارت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔

آپ کے دادا چونکہ سلفی خیالات ورجحانات کے حامل تھے اس لئے آپ نے شیخ عبدالوہاب کی متعدد کتابوں کو زیور طبع سے آراستہ کیا اور خود ہی ان کے تراجم قائم کئے جس کی بدولت بدعات وخرافات سے یکسر صاف وشفاف فضا میں آپ کی نشوونما ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ جمعیہ خیریہ میں ہوئی، ثانوی درجات کی تعلیم کے لئے مدرسہ الہامیہ میں داخلہ لیا۔ اس کے بعد لا کالج سے وابستہ ہو گئے اور ۱۹۳۳ء میں فراغت کے بعد شبین القناطر میں وکالت کا دفتر قائم کیا۔ وہیں الاخوان المسلمین سے وابستگی عمل میں آئی۔ اخوان میں شامل ہونے والے آپ سب سے پہلے وکیل تھے۔ اس لئے اخوانیوں کی

حمایت و دفاع ہی آپ کی سرگرمیوں کا محور بن گیا، جس کی وجہ سے آپ حسن البنا شہید کے قریبی معتمد ہو گئے۔ وہ اپنے تمام دعوتی اسفار میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے اور پیش آمدہ مسائل و مشکلات میں آپ سے مدد و مشورہ لیتے۔

ثانوی درجات کی حامل عالمانہ زندگی ہی میں آپ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے یہ معاشرتی زندگی پچاس سال سے زیادہ عرصہ پر محیط تھی۔ ۱۹۷۹ء میں اہلیہ کا انتقال ہوا جن سے آپ کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

وکالت کی پریکٹس اگرچہ دوسری مصروفیات کی مہلت ہی نہیں دیتی، تاہم اپنی اصلاح و تہذیب سے آپ کو نہ روک سکی۔ اسلامی علوم و فنون میں انہماک و شغف علی حالہ باقی رہا اور تفسیر و حدیث، فقہ و سیرت اور تاریخ و تراجم کی کتابیں بدستور زیر مطالعہ رہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں ملک و بیرون ملک رچی جاتی تھیں، آپ ان پر اپنی آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھتے۔ آپ کی تیز نگاہ ان کا بروقت ادراک کر لیتی اور ان کے مضمرات کا تجزیہ کر کے ایسے حکیمانہ طریقے سے ان کے لئے پیش بندی کرتی کہ مخالفین کی افواہوں اور پروپیگنڈوں کا بھرم کھل جاتا اور ان کے اٹھائے ہوئے شکوک و شبہات کے تار ایک ایک کر کے بکھر جاتے۔ ایسے موقعوں پر آپ کا ساتھ دینے والا صرف آپ کا یہ یقین و ایمان ہوتا کہ ایمان کی دولت ہی دنیا کی عظیم ترین دولت ہے۔ اور اللہ کا سہارا ہی سب سے طاقتور اور مضبوط سہارا ہے اور صرف اسلام ہی ایک دین برحق ہے۔ اسی ایمانی حرارت کی وجہ سے ان کی تقاریر بڑی اثر انگیز ہوتی تھیں۔ پھر ان کی نرم گفتاری، شیریں کلامی سونے پہ سہاگے کا کام کر دیتی۔

وہ بڑے خوش اخلاق تھے۔ لطف و کرم اور انس و محبت کا پیکر تھے۔ ان کی سادگی کا جمال، خاکساری کی عظمت، خندہ جبینی اور خوش روئی کی حسن پاشی ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنا لیتی۔ جذبہ عمل اور جوش جہاد سے اٹھتے ہوئے نوجوانوں کے ساتھ ان کی محبت و ہمدردی میں بڑی دلنوازی تھی۔ نوجوان اپنی کوششوں کو بار آور دیکھنے کے لئے بیتاب ہوتے ہیں۔ کامیابی سے جلد از جلد ہمکنار ہونے کی تڑپ انہیں ہر آن مضطرب رکھتی ہے۔ اخوانیوں پر مشق ستم کرنے والوں کا دو بدو جواب دینے کے لئے بیتاب

واضطراب کی کروٹیں ان کے سینوں میں طوفان و ہیجان پیدا کرتی ہیں۔ ان کے جوش و جذبہ کی اس گرمی کو وہ سنجیدگی و متانت کی چھاؤں فراہم کرنے اور مشکلات و مصائب کا پامردی سے مقابلہ کرنے کے عوض اللہ کی رحمت اور اس کے اجر و ثواب سے ان کی امیدوں کا رشتہ جوڑ دیتے۔

قلب و ضمیر کی پاکیزگی، نیت کے اخلاص، باطن کی طہارت، خوشخوئی و خوش گفتاری کی وجہ سے عمر تلمسانی" کی شخصیت ایک ایسا مقناطیس بن گئی تھی کہ جو بھی ان کے قریب آیا ان کا شیدا ہو گیا۔ وہ اس راز سے خود پردہ اٹھاتے ہیں، فرماتے ہیں: درشت خوئی کو میں نے اپنی زندگی کبھی راہ نہ دی، نہ کسی سے انتقام کا کبھی کوئی خیال دل میں آیا، اسی لئے نہ میرا کوئی حریف ہے نہ مخالف، سب میرے بھائی ہیں اور بھائیوں کے لئے ریشم کی طرح نرم ہونا مومن کا شیوہ ہے۔ وہاں اگر رزم حق و باطل ہو یا حق کی نصرت و حمایت کا موقع یا کتاب و سنت پر عمل دعوت کا میدان ہو تو ایسے موقعوں پر فولاد کی صلابت ہی مومن کی شناخت ہے۔ ایسے تمام موقعوں پر میں کسی کا حریف نہیں بنتا بلکہ میرا مد مقابل ہی حریفانہ کشمکش کے شکنجوں میں خود کو کسا ہوا محسوس کرتا ہے۔ میں نے عہد کیا تھا کہ کسی انسان کی کبھی دل آزاری نہ کروں گا خواہ وہ میرا سیاسی مخالف ہی کیوں نہ ہو اور اس نے اذیتوں کے انگارے ہی میرے جسم و روح پر کیوں نہ برسائے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ذاتی طور پر کبھی کسی سے میری کوئی پرخاش نہ ہوئی۔ ان ہی اوصاف کی بنا پر ان کی محفل سے جو بھی اٹھا ان کی عظمت کے تذکروں کا اعتقاد و محبت لے کر اٹھا۔ یہ سب کچھ فیض صحبت و تلمذ تھا حسن البنا شہید کا اور اخوان کے ساتھ ان کے مخلصانہ ربط و تعلق کا۔

اخلاق و اوصاف:

پاکدامانی اور شرم و حیا آپ کے مزاج میں ایسی رچی ہوئی تھی کہ جو بھی آپ کے قریب آتا آپ کی شخصیت میں جمال حیا کی ادا ہی دیکھ کر آپ کا جاں نثار ہو جاتا۔ اسی کے ساتھ باطن کا اجالا چہرے سے یوں نمایاں ہوتا تھا کہ ہر شخص اسے دیکھ کر اندازہ کر لیتا تھا کہ قید و بند کی زہرہ گداز اذیتوں نے آپ کی شخصیت کو اس طرح پگھلا پگھلا کے نکھار دیا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں داخل زنداں ہوئے۔ پھر ۱۹۵۴ء

۱۹۸۱ء میں پے بہ پے داخل زنداں ہوتے رہے اور اس کے تاب آزما شدائد ومحن کے آتشکدوں کو اپنے صبر وثبات کی بدولت گلزار خلیل بناتے رہے۔

مکتوب بنام صدر:

مصر کے صدر کو آپ نے ایک کھلا خط لکھا جسے قاہرہ سے شائع ہونے والے اخبار الشعب نے اپنی ۱۲/۳/۱۹۸۲ء کی اشاعت میں شائع کیا۔

حضرت مآب صدر! ہم مصری مسلمانوں کی اولین اور اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کے زیر سایہ امن وامان کی زندگی میسر ہو۔ اس امت کا مفاد اسی میں مضمر ہے کہ اسلامی شریعت زندگی میں جاری وساری ہو۔ یقین کیجئے کہ مصر میں اگر اسلامی شریعت کا نفاذ عمل میں آگیا تو یہ دوسرے ملکوں میں نفاذ شریعت کا دیباچہ ہوگا اور پوری قوم اس سعادت سے فیضیاب وآسودہ حال ہوگی۔

دعوتی مشکلات اور ان کا حل:

عصر حاضر میں دعوتی کام کرنے والوں کی راہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ بڑی سرکش و پریشان کن ہیں۔ دنیا کی ساری دولت دشمنان دین کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ اپنے باہمی اختلافات بھول کر متحد ہوگئی ہیں اور مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں، ان کی جنگی کارروائیوں کا اصل ہدف بطور خاص اخوانی ہیں جو نوجوان اس صورت حال سے مایوسی کا شکار ہورہے تھے انھوں نے ان کو آگاہ کیا کہ کامیابی وناکامی کے جو پیمانے دنیا نے مقرر کر رکھے ہیں وہ ان پیمانوں کو توڑ دیں اور صرف اپنے ایمان و اسلام کو ہی کامیابی کا اصل پیمانہ تصور کریں۔ دیکھیں کہ طالوت کی مومن فوج کو قلت مقدار کے باوجود جالوت کے لشکر جرار پر کیسے فتح حاصل ہوئی۔ فتح وشکست کے جو پیمانے دنیا نے مقرر کئے تھے، وہ یہاں اس لئے غلط ثابت ہوئے کہ مومنین کے پاس ایمان واسلام کی دولت تھی انھیں یقین تھا کہ فتح ونصرت اللہ کی عطا ہے، اسکا انعام ہے، یہ آلات جنگ کی بہتات اور کثرت مقدار سے نہیں ملتی بلکہ ایمان واسلام کے نتیجہ میں بطور انعام ملتی ہے، اسی کی بدولت طالوت کی تھوڑی سی بے سروسامان فوج نے جالوت کے مسلح عظیم لشکر کو شکست کی دھول چٹا دی۔

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں عددی قوت کی تحقیر کرتا ہوں اور داعیان اسلام کو اس بات کی تلقین کرتا ہوں کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے متوکل علی اللہ بن جائیں بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ کتاب وسنت کا التزام کیا جائے اور کلمہ حق کے اعلان، اظہار اور تبلیغ واشاعت کا جہاد مسلسل جاری رکھا جائے۔ اس راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا جائے اور صبر وثبات کی مردانگی کا ایسا نمونہ پیش کیا جائے جو آنے والی نسلوں کے لئے قابل تقلید ہو اور اس یقین کو دلیل راہ بنایا جائے کہ کھرے کھوٹے کی تمیز کے لئے آزمائش وابتلاء اللہ تعالی کی سنت رہی ہے اور آزمائش وابتلاء کے بعد کامیابی کا انعام دستور الٰہی رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

مقالات

سنن ابن ماجہ کے راوی ابوالحسن القطان

ظفر احمد اعظمی مکی (M.A. فاضل دیوبند)
استاذ حدیث وفقہ
جامعۃ الفلاح، بلریا گنج

حدیث کی متداول کتب میں صحاح ستہ کا جو مقام ورتبہ ہے وہ کسی بھی صاحب علم سے مخفی نہیں، علم حدیث کا ہر طالب علم اس سے بخوبی واقف ہے۔ ان کتب حدیث میں سنن ابن ماجہ کا درجہ چھٹا اور آخری ہے۔ اس کے مصنف حافظ حدیث ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ہیں جو ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہیں جن کی پیدائش ۲۰۹ھ اور وفات ۲۷۳ھ میں ہوئی۔

ابن ماجہ نے اپنی کتاب کی تدوین وترتیب ایک نئے انداز سے کی ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ کتب حدیث میں سنن ان مجموعہ احادیث کو کہا جاتا ہے جن میں احادیث کی ترتیب کتب فقہ کی ترتیب پر ہو، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الصوم، کتاب الزکوۃ، کتاب الحج وغیرہ۔

امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب میں احکام سے متعلق احادیث کے ذکر کرنے سے پہلے تمہید اور مقدمہ کے طور پر چند ابواب کے تحت بہت سی چیزیں ذکر کردی ہیں۔ اتباع سنت کی اہمیت، کذب علی الرسول کی وعید، بدعت کی شناعت، ایمان اور تقدیر کا بیان، فضائل صحابہ، فرق ضالہ کا ذکر، اور آخر میں علم وعلماء کی فضیلت، ان ابواب کے ذکر سے کتاب کی اہمیت بڑھ گئی اور اس سے اس کو چار چاند لگ گیا ہے۔

سنن ابن ماجہ کو امام سے براہ راست روایت کرنے والے چار کا ذکر ملتا ہے۔ ۱۔ ابوالحسن القطان القزوینی، ۲۔ سلیمان بن یزید القزوینی، ۳۔ ابوجعفر محمد بن عیسی المطوعی، ۴۔ ابوبکر حامد الابہری۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں مزید دو نام ذکر کیا ہے: ۱۔ سعدون ۲۔ ابراہیم بن دینار اول الذکر حافظ ابوالحسن القطان کے طریق سے کتاب کی شہرت ہوئی اور دوسرے رواۃ کی روایت بہت جلد مرور زمانہ کی نظر ہوگئی۔ اس لئے اب جہاں بھی سنن ابن ماجہ کا ذکر آتا ہے وہ القطان ہی کی روایت ہوتی ہے۔ بنابریں ذیل میں ہم ان کا ہی کا تذکرہ کررہے ہیں۔

نام ونسب:

ابوالحسن کنیت علی بن ابراہیم بن سلمہ بن بحر نام ہے۔ روئی وسوت سے تعلق سے القطان لقب اور قزوین کی طرف نسبت کی وجہ سے قزوینی کہلاتے ہیں۔ قزوین پہلے عراق عجم کا ایک شہر تھا اور اب موجودہ ملک ایران کا ایک صوبہ ہے جو اس کے دارالسلطنت تہران اور صوبہ ہمدان سے متصل شمال مغرب میں واقع ہے۔ شہر قزوین کو صاحب تذکرہ کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء ومحدثین کے مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے جیسے امام ابن ماجہ صاحب سنن، محمد سعید، علی بن محمد، عمرو بن رافع، اسماعیل بن توبہ اور سنن ابن ماجہ کے دوسرے راوی سلیمان بن یزید القزوینی رحمہم اللہ۔ ابوالحسن القطان وہیں ۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔

طلب علم کے لئے سفر:

پچھلے زمانہ میں سفر اتنا آسان نہ تھا جیسا کہ موجودہ زمانہ میں آلات سفر کی ایجادات نے بنادیا ہے۔ پہلے زمانہ میں عموماً اونٹ یا پیدل سفر کی منزلیں طے کی جاتی تھیں۔ ابوالحسن القطان نے طلب علم اور سماع حدیث کے لئے اس زمانہ کے دستور کے مطابق مختلف ممالک کا سفر کیا اور متاع علم کے حصول کی خاطر بہت سی جگہوں کی خاک چھانی۔

بغداد دو مرتبہ حاضر ہوئے۔ رے، نہاوند، حلوان، کوفہ، مکہ، مدینہ اور صنعاء کا سفر کیا اور وہاں کے چشمہ صافی سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

شیوخ واساتذہ:

تیسری صدی ہجری علم حدیث کے لئے عصر ذہبی ہے اسی زمانہ میں حدیث کی امہات کتب

اور دوسرے مجموعہ احادیث کی تدوین ہوئی۔ اس وقت ہر جگہ علم کا چرچا تھا۔ ایک ہی شہر میں کئی کئی محدثین وفقہاء اور علماء اپنی اپنی مسند درس بچھائے رہتے تھے اور تشنگان علم آتے اور اپنے اپنے ذوق و شوق کے مطابق ان سے فیض یاب ہوتے۔

ابو الحسن القطان نے بھی بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ امام ابن ماجہ کے علاوہ کچھ دوسرے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

ابو حاتم الرازی، ابراہیم بن دیزیل سیفنہ، محمد بن الفرج الازرق، قاسم بن محمد الدلال، حارث بن ابی اسامہ، اسحاق بن ابراہیم الدبری، حسن بن عبد اللہ الیومی اور یحیی بن عبدک القزوینی۔

شاگرد و تلامذہ:

ابو الحسن القطان سے فیض یاب بہت سے لوگ ہوئے۔ ان کے چند ممتاز شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں: الزبیر بن عبد الواحد، الحافظ ابو الحسن النحوی، القاسم بن ابی المنذر الخطیب، ابو الحسین احمد بن فارس اللغوی، ابو سعید عبد الرحمن بن محمد القزوینی اور احمد بن علی بن لال وغیرہ۔

اخلاق و فضائل:

ابو الحسن القطان حدیث، تفسیر، فقہ، لغت اور نحو میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ زہد و ورع اور تقوی و طہارت میں بھی اعلی درجہ کے مالک تھے۔ الخلیلی کا بیان ہے کہ ابو الحسن شیخ اور تمام علوم کے بہت بڑے ماہر تھے۔ نیز الخلیلی ہی کا بیان ہے کہ میں نے قزوین کے مشائخ کو یہ کہتے سنا کہ ابو الحسن کا ہم عصر کوئی بھی ان جیسا شرف و فضل اور زہد و تقوی والا نہیں تھا۔ وہ مسلسل تیس سال روزہ رکھتے رہے اور صرف خشک روٹی سے افطار کرتے رہے۔ ان کے تین لڑکے تھے، حسن اور حسین کا عالم شباب میں انتقال ہوا اور انھوں نے صبر سے کام لیا۔ غرض ان کے فضائل بے شمار ہیں۔ ان کے ایک شاگرد احمد بن فارس کا بیان ہے کہ میرے استاذ ابو الحسن القطان کہتے تھے کہ پہلے مجھے ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور اب تو سو حدیثیں بھی یاد کرنا مشکل ہے۔

وفات:

آخر عمر میں ابو الحسن القطان بصارت سے محروم ہو گئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ایام مصر میں باتیں

کرتا تھا شاید اسی کا یہ نتیجہ بد ہے کہ میں بینائی سے محروم کر دیا گیا۔ ابو احمد العسکری نے اپنی کتاب المواعظ والزواجر میں لکھا ہے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ابو الحسن القطان قزوین ہی میں پیٹ کے مرض میں مبتلا ہوئے اور انھوں نے ایک دن میں نوے (۹۰) مرتبہ وضو کیا اور کہتے تھے کہ میں ملک الموت سے طہارت کی حالت میں ملنا چاہتا ہوں۔

علم و حکمت اور زہد و تقوی کا یہ آفتاب زندگی کی اکانوے (۹۱) بہاریں دیکھ کر ۳۴۵ھ میں غروب ہو گیا۔ کسی نے مرثیہ میں کہا:

سلام علی قزوین من بعد شیخها
أبي الحسن القطان خلف التبعد
أخو العلم و الایمان و العقل و الحجیٰ
حلیف النبي حصین التقی و التهجد

قزوین پر سلامتی ہو اس کے شیخ ابو الحسن القطان کے گزر جانے کے بعد جو عبادت گزار، علم و ایمان والے، عقل و دانش سے متصف، عاشق رسول اور تقوی و شب بیداری کے قلعہ تھے۔

رحمه الله رحمة واسعة.

☆☆☆☆☆

علوم الحدیث

اصول درایت ایک جائزہ

انیس احمد مدنی

درایت حدیث کی تعریف: ان قواعد کی معرفت جو راوی اور مروی کے احوال کو بتلاتے ہیں۔ درایت حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ روایت کی حقیقت اور اس کی شرطوں، قسموں، احکام نیز راویان حدیث کے احوال، ان کی شرطوں اور ان کی مرویات کے اقسام وانواع اور اس کے متعلقات کا علم حاصل ہوتا ہے۔

درایت کا مفہوم: حقیقت میں درایت کا لفظ عام ہے۔ راوی اور مروی کے احوال کو بتلانے والے قواعد کے علاوہ اس کا اطلاق حدیث کو سمجھنے اور اس سے احکام کے استنباط پر بھی ہوتا ہے۔ فہم حدیث جو اس کے تتبع تراجم اور احوال رواۃ کی تفتیش وتحقیق اور حدیث کے الفاظ ومتون کی جانچ اور انواع ترجیح کی معرفت، مخفی علتوں کا ادراک اور مرور ایام کے ساتھ فن حدیث کے ارتقاء وحرکت کی وسیع تر معلومات بھی درایت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

درایت حدیث کی ضرورت واہمیت: انسان غلطیوں اور نسیان سے مرکب ہے۔ کبھی اس سے غلطی عمداً اور کبھی نسیاناً ہوتی ہے۔ لیکن حدیث کے سچ یا جھوٹ ہونے کے لحاظ سے نتیجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے۔ اور چونکہ احادیث نبویہ قانون سازی کا ماخذ اور تا قیامت مومنوں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں، لہذا انھیں جملہ انسانی غلطیوں اور آمیزشوں سے صاف وشفاف بنانا ضروری ہے۔ لہذا نبی اکرم ﷺ کی جانب منسوب احادیث کا دقیق علمی نقد، صحیح وضعیف احادیث کے درمیان تمیز کے لئے بے حد ضروری ہے تاکہ اسلام میں وہ چیز داخل نہ ہو سکے جس کا اسلام سے تعلق نہیں ہے۔

نقد وتمحیص کا مقصد مجرد علمی شوق وذوق کی آبیاری نہیں بلکہ اس کا اصل مقصود ناقلین حدیث کے احوال کی تفتیش وتحقیق ہے، تاکہ سچے اور صادق راویوں کی باتوں کو لیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اور کذابوں کی باتوں کو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ دفن ہو جائیں یا ان کے کذب کی خوب تشہیر کی جائے تاکہ لوگ اس سے آگاہ ہو جائیں۔

ابوبکر بن خلاد کہتے ہیں: میں یحیی بن سعید کے پاس ان کے مرض الموت میں پہنچا تو انھوں نے پوچھا، اے ابوبکر آپ نے اہل بصرہ کو کیا گفتگو کرتے ہوئے پایا۔ میں نے کہا: ''وہ ذکر خیر ہی کر رہے تھے۔ البتہ انھیں یہ اندیشہ ہے کہ لوگوں پر گفتگو کی بنا پر کہیں آپ کا مواخذہ نہ ہو۔'' اس پر یحیی نے جواب دیا: یہ بات نوٹ کرلو، آخرت میں میرا کوئی فریق لوگوں میں سے اپنی عزت کے معاملہ میں اٹھ کھڑا ہو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ میں نبی اکرم ﷺ کا فریق بن جاؤں۔ آپ ﷺ مجھ سے یہ کہیں کہ میری جانب منسوب ایک حدیث تم تک پہنچی تھی جس کے غیر صحیح ہونے کا تمہیں علم تھا تو تم نے اظہار نکیر کیوں نہیں کیا۔ (شرح علل الترمذی، ابن رجب: ۴۳)

درایت حدیث کے اہداف: درایت حدیث کے بنیادی اہداف تین ہیں:

[۱] مقبول ومردود احادیث کے درمیان تمیز۔ اگر علم درایت نہ ہوتا تو کلام نبوت کو انسانی کلام کی مکمل آمیزش سے محفوظ رکھنا دشوار ہوتا۔

[۲] علم درایت کے اصول وقواعد عالم دین کو اس عظیم دھمکی سے بچاتے ہیں جس سے ہر وہ شخص دوچار ہوگا جو درایت کے اصولوں کا پاس ولحاظ نہ رکھنے کی بنا پر موضوع احادیث کی روایت کرتا اور نبی اکرم ﷺ کی اس شدید وعید کا مستحق بن جاتا ہے: ''جس نے میری جانب کسی جھوٹ کی نسبت کی تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

[۳] علم درایت کا ایک بنیادی ہدف انسانی ذہن اور عقل کو خرافات سے بچانا اور محفوظ رکھنا بھی ہے۔

اصول درایت کی مشروعیت قرآن کی روشنی میں:

جس طرح روایت کا اصول قرآن مجید سے ماخوذ ہے، اصول درایت بھی قرآن مجید نے ہی متعین کر دیا تھا۔ سندوں اور خبروں کی تحقیق کا ایک عام حکم یوں دیا گیا ہے: "یا أیها الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا " (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لو)۔

حضرت عائشہؓ پر بعض منافقین نے تہمت لگائی اور اس کا چرچا اس زور وشور سے کیا کہ بعض مسلمان بھی تذبذب میں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"و لو لا اذ سمعتموه قلتم ما یکون لنا أن نتکلم بهذا سبحانک هذا بهتان عظیم"

(جب تم نے اس خبر کو سنا تو یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات بھی مناسب نہیں ہے۔ سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے۔)

اس آیت میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس خبر بے بنیاد کو سننے کے بعد تمہیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ یہ انتہائی نامعقول بات ہونے کے باعث درایۃً بالکل ساقط الاعتبار تھی۔

سورہ نساء میں ہے:

"و اذا جاء هم أمر من الأمن أو الخوف اذاعوا به و لو ردوه الیٰ الرسول و اولی الأمر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منه و لو لا فضل الله علیکم و رحمته لاتبعتم الشیطان الا قلیلاً " (۸۳)

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: اس آیت میں اس شخص پر اظہار نکیر کی گئی ہے جو بلا تحقیق کے خبروں کو بیان کرتا اور پھیلاتا ہے درآنحالیکہ بسا اوقات وہ خبر حقیقت اور صحت سے دور ہوتی ہے۔ (ابن کثیر ج: ص:۵۲۹)

اصول درایت کی مشروعیت احادیث کی روشنی میں:

نبی اکرم ﷺ نے بعض افراد کی تعدیل اور بعض پر جرح کی ہے۔ یہ واقعات مستند سندوں سے ثابت ہیں۔

متفق علیہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے پاس اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا اسے اجازت دے دو اور فرمایا کہ وہ اپنے قبیلہ یا خاندان کا برا شخص ہے۔ جب وہ شخص اندر داخل ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے نرمی سے گفتگو کی۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے ابھی وہ بات کہی بھی اور جب وہ کمرے میں آئے تو آپ نے نرمی سے گفتگو کی۔ تو آپؐ نے جواب دیا کہ اے عائشہ قیامت کے دن سب سے بدتر وہ شخص ہوگا جس کی فحش باتوں سے بچنے کی خاطر لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔" (صحیح البخاری: کتاب الادب: باب ۴۸)

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے نقد حدیث کی بنیاد رکھی ہے اور فن جرح و تعدیل کے ابتدائی خاکہ اور اصول وضوابط کو منضبط فرمایا ہے۔

بعض احادیث میں اس بات کا حکم بھی وارد ہے کہ حدیثوں کو قرآن پر پرکھو اور جانچو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو روایات میرے واسطے سے تم تک پہنچیں انہیں کتاب الٰہی پر پیش کرو، اگر وہ کتاب الٰہی کے موافق ہوں تو میں نے انہیں کہا ہے اور اگر کتاب الٰہی کے مخالف ہوں تو میں نے نہیں کہا اور میں قرآن کی مخالفت کیسے کر سکتا ہوں درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کتاب کے ذریعہ ہدایت فرمائی ہے۔

اس حدیث کی سند پر علماء نے سخت کلام کیا ہے۔

صحابہ کے اقوال وافعال میں درایت کا استعمال:

درایت حدیث یعنی حدیث کے متون اور سندوں کی تحقیق وتفتیش کا آغاز عہد نبوی ہی میں ہو چکا تھا۔ آپ کے انتقال کے بعد حدیث کی نسبت کی تحقیق وتفتیش اور اس کے تعلق سے اطمینان کے لئے کبھی کبھی کبار صحابہ حدیث کی روایت کے وقت اس کے لئے شاہد طلب کرتے۔ چنانچہ جب ابوموسیٰ الاشعریؓ نے عمر فاروقؓ سے حدیث استئذان (یعنی تین بار اجازت طلب کی جائے اگر جواب نہ ملے تو انسان واپس لوٹ جائے) بیان کی تو انھوں نے اس پر شاہد اور گواہ طلب کرتے ہوئے فرمایا: اس کا ثبوت پیش کرو ورنہ کوڑے لگاؤں گا۔ چنانچہ ابوسعید الخدریؓ نے گواہی دیتے ہوئے فرمایا: ہمیں اس کا حکم دیا جاتا تھا۔

صحابہ کرام کے اقوال وافعال کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ عہد صحابہ میں

حدیثوں کی تفتیش و تحقیق اور ان کی نسبت کی صحت کی جانچ کے لئے درج ذیل تین طریقے رائج تھے۔

[۱] روایات کا باہم دگر مقارنہ و موازنہ: صحابہ میں سب سے پہلے اس منہج کا استعمال ابو بکر صدیقؓ نے کیا تھا۔ ایک دادی اپنی میراث کی طلب میں ابو بکر صدیقؓ کے پاس آئی۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارے لئے کتاب الٰہی میں کوئی حصہ مذکور نہیں پاتا اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی کوئی حدیث اس مسئلہ میں مجھے یاد ہے۔ پھر آپ نے صحابہ سے پوچھا تو مغیرہؓ نے جواب دیا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں موجود تھا تو آپ نے اسے ۱/۶ دیا تھا۔ اس پر ابو بکرؓ نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی گواہ ہے؟ اس پر محمد بن مسلمہ نے گواہی دی تو ابو بکرؓ نے اس حصہ کو دادی کے لئے نافذ فرمایا۔

اس طریقے پر مزید روشنی مسند احمد کی اس روایت سے پڑتی ہے کہ ابو ہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی: جس نے کسی جنازہ میں شرکت کی تو اس کو ایک قیراط (ثواب عظیم) ثواب ملے گا۔ تو اس پر عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: غور کرو اے ابو ہریرہ تم کیا بیان کر رہے ہو۔ اس پر ابو ہریرہؓ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عائشہؓ کے پاس لے گئے تو انھوں نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت کی تصدیق فرمائی۔

[۲] روایت کا سنت مشہورہ اور کتاب الٰہی کے مخالف ہونا:

عہد صحابہ میں درایت کا دوسرا اہم اصول یہ رائج تھا کہ جو روایت کتاب اللہ یا رسول اللہ ﷺ کی کسی مشہور سنت کے خلاف ہو اسے قبول نہ کرنا چاہئے۔ صحابہ کرام کا اس پر بھی تعامل تھا اور وہ ایسی روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے جب فاطمہ بنت قیسؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی اکرم ﷺ نے مطلقہ بائنہ کے لئے نفقہ اور حق سکنیٰ نہیں رکھا ہے تو عمر فاروقؓ نے اس پر فرمایا: "لا نترک کتاب ربنا و سنة نبینا لقول امرأة لا ندري أصدقت أم کذبت" (ہم کتاب الٰہی اور اپنے نبی کی سنت کو ایک ایسی عورت کی بات کی بناء پر نہیں چھوڑ سکتے جس کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ وہ سچ کہہ رہی ہے یا غلط کہہ رہی ہے۔)

ابن عمرؓ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ: میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ تو حضرت عائشہؓ نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے

حکم "لا تزر وازرة وزر اخری" (کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا) کے خلاف ہے۔

اسی طرح حدیث معراج میں جو یہ آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ رویت باری سے مشرف ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے اس کی صحت سے انکار کر دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا تدرکه الأبصار" (نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں)۔

[۳] روایت کا عقل یا شریعت کے عام مقاصد سے متعارض ہونا:

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے ایک حدیث بیان کی جس کا حاصل یہ تھا "کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو کرنا چاہئے"۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ سنا تو کہا: اگر یہ صحیح ہے تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہئے۔

ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت بیان کی کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھو لینا چاہئے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے یہ سنا تو فرمایا اچھا پھر برتن کا کیا ہوگا؟ ان دونوں بزرگوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈال دینے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے برتن بھی ناپاک ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس میں بڑا حرج ہے۔ پس ایسا حکم اصل رفع الحرج کے خلاف ہے اور اس لئے اس صحت پر اعتبار کرنا مشکل ہے۔

تابعین کے اصول درایت:

☆ سند کی تحقیق کے اصول:

تابعین کے نزدیک کوئی بھی حدیث بلا سند کے مقبول نہ ہوتی۔ ابن المبارک کہتے ہیں سند کی معرفت دین کا جزء ہے۔ اگر سند نہ ہوتی تو ہر کوئی جو چاہتا بیان کر دیتا۔

ابو العالیہ کہتے ہیں: ہم صحابہ کرام کے واسطے سے روایات ۔ تو اس وقت تک اطمینان نہ ہوتا جب تک کہ ان کے پاس جا کر براہ راست ان سے نہ سن لیتے۔

تابعین کے نزدیک کسی بھی سند کے '

ہانا ضروری تھا:

[۱] سند متصل ہو:

ایک بار ربیع بن خثیم نے ایک روایت شعبی سے بیان کی تو انھوں نے پوچھا آپ سے اس حدیث کی روایت کس نے کی ہے؟ ربیع نے جواب دیا: عمرو بن میمون نے۔ شعبی نے پوچھا عمرو بن میمون سے کس نے روایت کی ہے تو انھوں نے جواب دیا ابوایوب الانصاریؓ نے۔

[۲-۳] راوی عادل اور ضابط ہوں:

ابواسحاق ابراہیم الطالقانی کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن المبارکؒ سے پوچھا کہ یہ حدیث ''نیکی کے بعد نیکی میں سے یہ بھی ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی نماز پڑھو'' کیسی ہے؟ ابن المبارک نے پوچھا یہ حدیث کس سے مروی ہے؟ تو میں نے جواب دیا: حجاج بن دینار سے۔ انھوں نے کہا وہ ثقہ راوی ہیں۔ انھوں نے کس سے روایت کی ہے؟ اس پر انھوں نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ سے۔ اس پر انھوں نے فرمایا: حجاج بن دینار اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان صحراء واقع ہے۔ یعنی کم از کم دو راوی تابعی اور صحابی محذوف ہیں کیونکہ حجاج تبع تابعی ہیں۔

[۴] حدیث شاذ نہ ہو:

[۵] حدیث میں کوئی علت نہ پائی جائے:

متن کی تحقیق کے اصول:

روایات کا باہم دگر مقارنہ و موازنہ۔

ایوب السختیانی فرماتے ہیں: ''جب تم اپنے استاذ کی غلطی جاننا چاہو تو دوسرے شیخ کی مجلس میں بھی شریک ہو۔'' مطلب یہ ہے کہ آدمی متعدد اساتذہ کی مرویات کو ایک دوسرے پر پیش کر کے غلط اور صحیح کا ادراک کر سکتا ہے۔

فقہاء کرام اور مجتہدین کے اصول درایت:

فقہاء احناف اور مجتہدین کے یہاں اصول درایت حسب ذیل ہیں:

[۱] خبر واحد متفق علیہ اصولوں سے متعارض نہ ہو۔

[۲] کتاب الٰہی کے عموم اور ظواہر نصوص سے متعارض نہ ہو۔

[۳] سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو خواہ وہ سنت قولی ہو یا فعلی۔

[۴] خبر واحد کسی دوسری خبر واحد سے متعارض نہ ہو۔ تعارض کی صورت میں اسباب ترجیح میں سے کسی سبب کے پائے جانے کی صورت میں ترجیح دی جائے گی۔ جیسے دونوں صحابہ میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ حافظ ہو۔ یا ایک فقیہ ہو اور دوسرا فقیہ نہ ہو یا ایک جوان ہو اور دوسرا بوڑھا ہو۔ کہ غلطی کا احتمال کم سے کم ہو۔

[۵] راوی حدیث کا عمل اس کی حدیث کے مخالف نہ ہو جیسے کتے کے برتن میں منھ ڈال دینے کی صورت میں سات بار دھونے والی حدیث ابوہریرہؓ سے مروی ہے جبکہ آپ کا فتویٰ آپ کی اس روایت کے خلاف تھا۔

[۶] خبر واحد میں کوئی اضافہ نہ ہو۔ اضافہ پر احتیاطاً عمل نہیں کیا جائے گا۔

[۷] خبر کا تعلق عموم بلوی سے نہ ہو۔ اگر عام طور پر پیش آنے والے مسائل سے ہو تو پھر اس خبر کا متواتر یا مشہور ہونا ضروری ہے۔

[۸] کسی سلف نے اس حدیث پر نقد نہ کیا ہو۔

[۹] کسی مسئلہ میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہونے کی صورت میں کسی صحابی نے اس خبر سے استدلال کو ترک نہ کیا ہو۔

[۱۰] حدود اور سزاؤں کے باب میں روایات کے متعارض ہونے کی صورت میں اس روایت کو لیا جائے گا جو ہلکی سزا کے بیان پر مشتمل ہو۔

[۱۱] راوی کو حفظ و اتقان سماع حدیث سے لے کر ادائیگی کے وقت تک کسی خلل و اختلاط کا شکار نہ ہوا ہو۔

[۱۲] وہ خبر صحابہ اور تابعین کے معمول بہ مسلک کے خلاف نہ ہو۔

[۱۳] راوی اپنی تحریر پر اس وقت تک اعتماد نہ کرے جب تک کہ اسے اپنی وہ حدیث یاد نہ آ جائے۔

صحاح ستہ کے مؤلفین کے نزدیک اصول درایت:

صحاح ستہ کے مؤلفین کے نزدیک سند و متن کی تحقیق اور اس کے صحیح ہونے کے لئے درج

ذیل پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

[۱] عدالت رواۃ

[۲] ضبط رواۃ

[۳] اتصال سند

[۴] سند و متن کا عدم شذوذ

[۵] سند و متن کا علت سے خالی ہونا

حدیث میں جو تفرد یا مخالفت پائی جاتی ہے وہ زیادہ تر متن میں پائی جاتی ہے۔ علت ایک قسم کی ذاتی تنقید ہے جس میں متن حدیث پر ضعف کا حکم لگاتے ہیں۔ اس کا اطلاق دقیق و عمیق فکر و فہم اور الہام پر ہوتا ہے۔

ضبط اور اتصال سند کے تعلق سے صحاح ستہ کے مؤلفین کے درمیان تفصیلات میں اختلاف ہے۔ امام بخاری کے نزدیک راوی کے قابل اعتبار ہونے کے لئے اس کے متقن و ضابط ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے استاذ کے ہمراہ کثرت ملازمت و مصاحبت بھی ضروری ہے۔ جبکہ امام مسلمؒ اتقان کے ساتھ صرف راوی اور شیخ کے درمیان ملاقات کے ثبوت کو کافی مانتے ہیں اور کثرت ملازمت کی قید انھوں نے نہیں لگائی ہے بلکہ دونوں کا ہمعصر ہونا کافی ہے۔

اور ابوداؤد اور نسائی اتقان کی شرط نہیں لگاتے۔ ان کے نزدیک صرف کثرت ملازمت کافی ہے۔ اور امام ترمذی نے نہ تو اتقان کی شرط لگائی ہے اور نہ ہی کثرت ملازمت کی۔

متن کی تحقیق کے اصول:

[۱] متون احادیث اور ان کے معانی کا باہم دگر مقارنہ و موازنہ:

امام مسلم لکھتے ہیں: اگر آپ عطاء، یزید اور لیث کی مرویات کا منصور، سلیمان اور اسماعیل کی احادیث سے موازنہ کریں تو آپ ان کو مختلف پائیں گے۔ اہل علم کے نزدیک منصور، سلیمان اور اسماعیل کی روایات میں جو ضبط و اتقان ملتا ہے وہ عطاء، یزید اور لیث کے یہاں نہیں ملتا۔ (مقدمہ صحیح مسلم: ۱۷)

امام مسلمؒ نے اپنی کتاب ''التمییز'' میں اس قانون کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

[۲] محدث کے اصل نسخہ سے اس کی مرویات کا موازنہ:

محدثین متن حدیث کی تحقیق کے لئے راوی سے اس کی اصل کتاب، اسکے اوراق اور سیاہی وغیرہ کی تحقیق بھی کرتے تھے۔

زکریا بن یحییٰ الحلوانی کہتے ہیں: میں نے ابوداؤد السجستانی کو یعقوب بن کاسب کی احادیث سے احتراز کرتے ہوئے دیکھا تو اس کا سبب پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا ہم نے اس کے مسند میں بعض منکر احادیث دیکھیں تو اصل اوراق مانگے۔ ٹال مٹول کرنے کے بعد جب اس نے اوراق نکالے تو ہم نے اصل اوراق میں حدیثوں کو تازہ تحریر میں بدلی ہوئی پایا۔ وہ اصلاً مرسل روایات تھیں اور اس نے انھیں مسند بنا دیا تھا اور اس میں اضافہ کر دیا تھا۔

اسی طرح امام مسلم نے قطن بن ابراہیم کی حدیث کو اس لئے چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس نے "ایما اھاب دبغ فقد طھر" والی حدیث کی سند سرقہ کرکے اپنی کتاب کے حاشیہ پر درج کر دی تھی۔ (میزان الاعتدال: ۳۹۱/۳)

[۳] نقد متن کے لئے تاریخ کا استعمال۔

[۴] روایات کا عجیب و غریب ہونا اس کے موضوع ہونے کی دلیل ہے۔

اہل حدیث کے ماہرین کے اصول درایت:

☆ سند کی تحقیق کے اصول:

محدثین کے نزدیک سند کے معتبر و مقبول ہونے کے لئے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

[۱] سند متصل ہو۔

[۲] راوی عادل ہو۔

[۳] راوی ضابط ہو۔

[۴] حدیث شاذ نہ ہو۔

[۵] حدیث میں کوئی علت نہ پائی جاتی ہو۔

☆ متن کی تحقیق کے اصول:

[۱] حدیث رکیک الفاظ پر مشتمل نہ ہو۔

[۲] روایت عقل کے مسلمات کے خلاف نہ ہو۔

[۳] حکمت و اخلاق کے باب میں مذکور عام قواعد کے خلاف نہ ہو۔

[۴] محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف نہ ہو، مثلاً یہ کہ بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔

[۵] طب اور حکمت کے بدیہی امور کے خلاف نہ ہو۔

[۶] کسی ایسی برائی کی جانب بلانے والی نہ ہو جس سے تمام شریعتوں میں اجتناب لازم رہا ہے۔

[۷] صفات الٰہی کے باب میں عقیدہ کے اصول کے خلاف نہ ہو۔

[۸] کائنات اور انسان کی بابت خدا کی عام سنت سے متعارض نہ ہو۔

[۹] ایسی سخیف اور رکیک المعنی باتوں پر مشتمل نہ ہو جن سے انسانی عقلوں کو بچایا جاتا ہے۔

[۱۰] قرآن مجید یا محکم سنت یا اجماع یا دین کی بنیادی باتوں کے اس طرح مخالف نہ ہو کہ تاویل ممکن نہ ہو، مثلاً یہ کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہوگی۔ اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کب آئے گی۔ حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے۔

[۱۱] وہ تاریخی حقائق جو عہد نبوی سے معروف ہیں ان کے مخالف نہ ہو۔

[۱۲] حدیث راوی کے مسلک کی تائید نہ کرتی ہو جس کی جانب وہ لوگوں کو دعوت دے رہا ہو۔

[۱۳] روایت ایسی نہ ہو کہ اس میں ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں راوی بیان کرتے۔ اس کے باوجود صرف ایک ہی راوی نے بیان کیا ہو۔

[۱۴] حدیث کا منشا کوئی نفسانی سبب نہ ہو جو راوی کو اس کی روایت کرنے پر اکسائے۔

[۱۵] حدیث کسی معمولی کام پر اجر عظیم کے بیان پر مشتمل نہ ہو اور نہ ہی کسی معمولی غلطی پر شدید وعید پر مشتمل ہو۔

ان اصولوں کی بنا پر ہر زمانہ میں روایت پر تنقید کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر روایت معراج کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ثابت کی روایت جو

"فربطتہ بالحلقۃ" "میں نے براق کو حلقہ سے باندھ دیا" آیا ہے تو حضرت حذیفہؓ اس کی صحت سے انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے براق کو اس لئے باندھ دیا تھا کہ اس کے بھاگ جانے کا اندیشہ تھا؟ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ اللہ نے اس وقت آپ کے لئے عالم غیب و شہادت کو مسخر کر دیا تھا۔

اسماعیل بخاری کی روایت جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر سے قیامت کے دن اس حال میں ملیں گے کہ آزر کے چہرہ پر تار کول ملا ہوا ہوگا۔ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس خبر کی صحت میں نظر ہے اور دلیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کر چکا ہے کہ وہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر کو رسوا نہیں کرے گا تو پھر اس کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر حدیث ابی ہریرہؓ "خلق اللّٰہ آدم و طولہ ستون ذراعاً" (اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو طول ساٹھ گز تھا) کے متعلق کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"امم گزشتہ کے جو آثار ثمود کے دیار کی طرح مٹے ہوئے پائے جاتے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قد و قامت ترتیب سابق کے اقتضاء کے مطابق بہت زیادہ طویل نہیں تھے۔ حالانکہ ان کا زمانہ بھی بہت قدیم ہے اور جو زمانہ قوم ثمود اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان ہے وہ اس زمانہ سے کم ہے جو قوم ثمود اور امت مسلمہ کے شروع زمانہ کے درمیان ہے۔ اب تک مجھے اس اشکال کا حل معلوم نہیں۔"

اس تقریر سے واضح ہوا کہ محدثین نے تحقیق کے دونوں اصول روایت اور درایت دونوں کی تعیین و تشخیص میں اور ان پر عمل کرنے میں یکساں اہتمام کیا اور تنقید روایات میں دونوں سے کام لیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مذاہب عالم

توریت میں بشارات محمدیہ ﷺ

(آخری قسط)

ابوطوبیٰ فلاحی

چودھویں بشارت:

سفر پیدائش باب ۴۹/۱۰ میں ہے:

"یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹے گی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہوں گی۔"

"شیلوہ" چار حروف سے بنا ہے (شین، یود، لامید، وحی) افرائیم کے کوہستانی ملک میں "شیلا" نام کا ایک شہر موجود ہے (سموئیل باب ۱/۳) لیکن اس میں حرف "یود" موجود نہیں۔ لہذا شیلوہ سے وہ شہر مراد لینا جہاں عہدہ تابوت تھا یا ہیکل کا منتقل ہونے والا خیمہ تھا صحیح نہیں کیونکہ اس وقت تک یہوداہ کی نسل وذریت میں کوئی مملکت یا حکومت کا عصا ظاہر نہ ہوا تھا۔ لہذا یہ کلمہ جہاں کہیں بھی پایا جائے گا وہاں کسی شخص کی جانب اشارہ ہوگا جگہ کی جانب نہیں۔

عہد نامہ قدیم کے تقریباً تمام نسخوں میں "شیلوہ" کا کوئی ترجمہ یا تفسیر نہیں کی گئی اور سریانی میں اس کلمہ کا "اشیا" سے ترجمہ کیا گیا ہے جس کے معنی ہوں گے "وہ شخص جو اس کے لئے خاص ہے"۔

"شیلوہ" کا یہ لفظ غالباً فعل شلہ: Shalah سے ماخوذ ہے جس کے معنی سالم، پرسکون، امین، قابل اعتبار کے آتے ہیں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی کاتب نے غلطی سے آخری حرف "Het" سے دائیں جانب کو جدا کر دیا ہو اور یہ کلمہ "Hi" بن گیا ہو کیونکہ یہ دونوں الفاظ بے حد مشابہ ہیں۔ اور اس طرح کی غلطی اگر

عبرانی میں واقع ہو جائے تو اس صورت میں یہ لفظ "شلوہ" سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی بھیجنے کے آتے ہیں یا اسم مفعول "شلوح" (Shaluh) مرسل کے معنی میں ہوگا یعنی بھیجا ہوا نبی اور رسول۔

لیکن "Het" کو "Hi" سے عمداً بدلنے کا کوئی معقول سبب سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کیونکہ "Yod-یود" حالیہ صورت "شیلوہ" کے اندر موجود ہے۔ اور اس میں (واو-Vou) نہیں پایا جا رہا ہے جو اسم مفعول کا لازمہ ہے۔ اور توریت کے سامری نسخہ میں یہ کلمہ "شیلوہ - Shiloh" اسی طرح محفوظ ہے۔ اس لئے صرف ایک ہی تبدیلی ممکن ہے وہ یہ کہ "ہیت" کا آخری لفظ "ہی" سے بدل گیا ہو اور اگر ایسا ہوا ہے تو اس کلمہ کے معنی ہوں گے "شیلواح" اور اس صورت میں اس کا ترجمہ ہوگا "رسول یاہ" یعنی اللہ کا رسول، اور یہ لقب صرف محمد عربی ﷺ کو دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے "محمد رسول اللہ" اور یہ بھی واضح رہے کہ شیلواح اصلاً لفظ "طلاق" کی بھی تعبیر ہے کیونکہ مطلقہ عورت دور بھیج دی جاتی ہے۔ ان تینوں صیغوں کے علاوہ اس لفظ کی کوئی اور تفسیر ممکن نہیں۔

اس بشارت کا مصداق موسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کو منظم کرنے والے آپ پہلے نبی ہیں اور آپ سے پہلے یہوداہ کے قبیلہ میں کوئی نبی یا بادشاہ بھی نہیں آیا ہے۔

اس بشارت کا مصداق داؤد علیہ السلام بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ قبیلہ یہوداہ کے پہلے نبی اور بادشاہ ہیں۔ اس بشارت کے مصداق عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ نے خود اناجیل میں متعدد مقامات پر نبی منتظر ہونے کی تردید کی ہے۔ (دیکھئے متی ۲۲/۴۳-۴۵، مرقس ۱۲/۳۵-۳۷، انجیل یوحنا ۲۰/۲۱-۲۳)

پھر خود عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی لکھا ہوا قانون نہیں چھوڑا ہے اور نہ ہی کبھی حکومت وسلطنت قائم کرنے کے بارے میں سوچا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس آپ نے یہودیوں کو یہ نصیحت کی کہ وہ قیصر کے لئے مخلص رہیں اور اسے جزیہ ادا کریں۔ ایک بار عوام نے آپ کو بادشاہ بنانے کی کوشش کی تو آپ بھاگ نکلے اور چھپ گئے۔ پھر آپ کی انجیل لکھی ہوئی نہ تھی بلکہ آپ اس کی تعلیم شفوی طور پر دیتے تھے۔ نیز آپ کوئی نئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ شریعت موسویہ ہی کی تجدید واصلاح پر آپ مامور تھے۔

اس بشارت کے حقیقی مصداق اصلاً محمد عربی ﷺ ہی ہیں جو عسکری قوت کے ساتھ تشریف

اسے اور قرآن نے قدیم یہودی شریعت کی جگہ لے لی جو غیر عملی اور محض فاسد رہبانیت اور بے روح قربانیوں سے عبارت تھی۔ آپ نے خالص توحید کا اعلان کیا اور اخلاقی اقدار کو رواج دیا اور جملہ اقوام و ملل کو وحدانیت کے تصور سے جوڑ کر ان کے درمیان اخوت و بھائی چارگی قائم فرمائی۔

شیلوہ کا دوسرا معنی ''سالم اور امین'' کے ہیں۔ یہ صفت بھی آپ ﷺ کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ آپ کو اہل مکہ امین اور صادق کہتے تھے۔ عربی کا لفظ ''امن'' عبری کے ''امان'' کے مترادف ہے جس کے معنی ثابت، مستحر اور مامون کے آتے ہیں۔

محمد عربی ﷺ نے اللہ کے لئے اور انسانیت کے لئے جو عظیم خدمات پیش کیں کوئی دوسرا نبی اور رسول اتنی عظیم خدمات نہ پیش کر سکا۔ زمین کے ایک بڑے حصے سے آپ ﷺ نے شرک کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں اور انسانیت کو اسلامی شریعت کے روپ میں ایک بہترین دین اور نظام عطا فرمایا۔ آپ نے یہودیوں سے اقتدار چھین کر اسلام کی قوت و سلطنت کو قائم فرمایا اور اس کی شریعت کو نافذ فرمایا۔

''شیلوہ'' کا تیسرا معنی بھی نبی اکرم ﷺ پر ہو بہو منطبق ہو رہا ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو جگہ جگہ رسول کہا گیا ہے۔ اور شلواح کے معنی بھی رسول کے آتے ہیں۔ عبرانی میں شلواح الوہیم کا لفظی ترجمہ ''رسول اللہ'' ہوگا۔ اور یہ جملہ ہر اذان میں دن میں پانچ بار دنیا کے تمام میناروں سے دہرایا جاتا ہے۔

پھر غور کیجئے اگر یہودیوں کے مطابق ''شیلوہ'' کا ظہور نہیں ہوا ہے تو اس کے ظہور تک حکومت اور اس کا عصا قبیلہ یہوداہ میں باقی رہنا چاہئے لیکن یہ قبیلہ تیرہ صدیوں پہلے ختم ہو چکا ہے۔

دوسرے پہلو سے غور کیجئے کہ بنی اسرائیل کی سلطنت کے خاتمہ کے ساتھ یہوداہ کا قبیلہ بھی گم ہو گیا اور پوری زمین پر کہیں بھی کوئی اسرائیلی ایسا نہیں ہے جو تعین کے ساتھ یہ کہہ سکے کہ وہ بنی اسرائیل کے فلاں قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لہذا یہودیوں کے سامنے صرف دو راہیں بچتی ہیں یا تو وہ یہ تسلیم کریں کہ ''شیلوہ'' اس سے پہلے آچکا ہے اور ان کے آباء و اجداد نے اسے پہچانا نہیں یا یہ قبول کریں کہ یہوداہ کا قبیلہ ابھی تک موجود ہے جس سے شیلوہ کا ظہور ہوگا۔

پیشن گوئی کا یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ''جب شیلوہ آئے گا تو سلطنت اور حکومت کا عصا یہوداہ

کے قبیلہ سے چلا جائے گا اور ظاہر ہے یہ اسی وقت ہوگا جب شیلوہ قبیلہ یہوداہ کی نسل سے نہ ہو؟ کیونکہ اگر انھیں کی نسل سے ہو تو آخر یہ دونوں چیزیں کیوں کر اس قبیلہ سے منقطع ہوں گی۔ پھر شیلوہ یہودیوں کے کسی بھی قبیلہ سے نہیں ہو سکتا کیونکہ حکومت اور سلطنت کا عصا دونوں اسرائیل کی مصلحت کے لئے تھے کسی ایک قبیلہ کی مصلحت کے لئے نہیں تھے۔ نبی منتظر مسیح علیہ السلام اس لئے بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ماں کی جانب سے قبیلہ یہوداہ سے تعلق رکھتے تھے۔

غور کیجئے شیلوہ خواہ یہوداہ کی نسل سے ہو یا ربولون کی، عیساؤ کی نسل سے ہو یا اساخر کی، اسماعیل کی نسل سے ہو یا اسحاق کی، یہ دونوں سلسلے تو آخر ابراہیم ہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ تو پھر اسماعیل علیہ السلام کی نسل و ذریت سے شیلوہ کا ظہور یہودیوں ہی کے چچا کی نسل و ذریت سے ظہور ہے پھر بھی ایمان نہ لانا کس قدر قابل تعجب و حیرت انگیز ہے۔

(دیکھئے محمد فی الکتاب المقدس، عبدالاحد داؤد، ترجمہ: فہمی ثم)

☆☆☆☆☆

مذاہب عالم

نبی کریم ﷺ اور کالکی اوتار

The Holy Prophet and Kalki Avatar

مترجم: محمد سہیل فلاحی
ایم اے انگلش

ایک ہندوستانی مفکر اور پروفیسر نے اپنی ایک کتاب میں یہ حیرت انگیز انکشاف کیا ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں جس اوتار کا بیان آتا ہے درحقیقت وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اگر اس کتاب کا مصنف کوئی مسلم ہوتا تو اسکو گرفتار کر لیا جاتا یا اسکا قتل ہو جاتا اور اسکی کتاب کی ساری کاپیاں یا تو نذر آتش کر دی جاتیں یا اسکی اشاعت پر پابندی لگ جاتی۔ ہمارے معصوم مسلمانوں کے خلاف فرقہ وارانہ فساد بلا کسی انتہا اور ان کے خون ناحق بہائے جاتے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کتاب کے مصنف سنجیدہ سوچ و فکر رکھنے والے ایک مشہور پروفیسر ہیں جو کہ مذہب کے اعتبار سے ہندو ہیں۔ ان کا نام پنڈت بید پرکاش اپادھیائے ہے اور اسکی اس کتاب کا نام کالکی اوتار "Kalki Avatar" ہے۔ مصنف ایک بنگالی نسل کے ہندو برہمن ہیں۔ یہ ایک ریسرچ اسکالر حق کے متلاشی اور الٰہ آباد یونیورسٹی میں ایک مشہور پنڈت کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

تقریباً آٹھ سال کی تحقیق کے بعد مصنف نے اپنی اس کتاب کو شائع کیا ہے اور دوسرے آٹھ مستند پنڈتوں نے بھی اسکی کتاب کی توثیق کی ہے۔ یہ لکھتے ہیں کہ ہندو عقیدے اور اسکی مذہبی کتابوں کے مطابق انسانوں کی ہدایت کے لئے جو رہنما یا اوتار اس دنیا میں آنے والا ہے وہ جزیرۂ عرب کے محمد عربی ہیں جو اس دنیا میں تشریف لا چکے ہیں۔ اس لئے دنیا کے تمام ہندوؤں کو چاہیے کہ اب وہ مزید

کسی کالکی نامی اوتار کا انتظار نہ کریں اور محمد عربیؐ کو اپنا اوتار قبول کر لیں۔

مصنف اور ان آٹھ پنڈتوں کا یہ ماننا ہے کہ وہ ہندو جو بڑی شدت سے کالکی اوتار کا صدیوں سے انتظار کر رہے ہیں وہ اپنے آپ کو ایک نہ ختم ہونے والی پریشانی اور کرب میں مبتلا کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ اوتار آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے اس دنیا میں آ چکا ہے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پنڈت پرکاش اپادھیائے ہندو مت کی مذہبی کتابوں اور ویدوں سے متعدد ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا ہے:

[۱] کہ ہندوؤں کی مقدس کتاب پران "purana" میں یہ پیشن گوئی ہے کہ کالکی اوتار اس دنیا میں انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے خدا کے آخری پیغمبر ہوں گے۔

[۲] ہندو مت کی پیشن گوئی کے مطابق کالکی اوتار کی پیدائش ایک جزیرہ میں ہوگی جو اُکے عقیدے کے مطابق عرب کا علاقہ ہوگا۔

[۳] مقدس ویدوں کے مطابق کالکی اوتار کے باپ کا نام وشنو بھگوت اور ماں کا نام سمانی ہوگا۔ اگر ہم ان دونوں ناموں کے مفہوم پر غور کریں تو دلچسپ حقائق سامنے آئیں گے۔ مثلاً وشنو کے معنی خدا اور بھگوت کے معنی غلام کے آتے ہیں اور عربی میں اس کے معنی عبداللہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سمانی کے معنی امن اور سکون کے آتے ہیں اور عربی میں اس کے لئے آمنہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور یہ دونوں نام نبی کریمؐ کے والدین کے ہیں۔

[۴] ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں آتا ہے کہ کالکی اوتار کی غذا کھجور اور زیتون ہوگی اور وہ اپنے علاقے میں امین اور دیانتدار کے نام سے جانا جائے گا اور بلاشبہ نبی کریمؐ میں یہ دونوں خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

[۵] مقدس وید میں یہ بھی آتا ہے کہ کالکی اوتار کا جنم ایک نہایت ہی باعزت اور بااثر قبیلے اور خاندان میں ہوگا اور یہ چیز قبیلہ قریش پر پوری طرح صادق آتی ہے جس سے ہمارے نبیؐ کا تعلق تھا۔

[۶] ایشور یا خدا کالکی اوتار کو اپنے دوت یا فرشتے کے ذریعے ایک غار میں علم کی روشنی عطا کرے گا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو غار حرا میں جبرئیل امینؑ کے ذریعے پہلی وحی نازل

کی۔

[۷] ایشور کا کلکی اوتار کو ایک نہایت ہی تیز رفتار گھوڑے پر سوار کرائے گا اور پوری دنیا بشمول ساتوں آسمانوں کی سیر کرائے گا۔ یہ براق اور معراج کی طرف ایک صریح اشارہ ہے۔

[۸] ایشور کلکی اوتار کی غیبی طور پر مدد بھی کرے گا اور اس کا ثبوت غزوہ بدر میں ملتا ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کی اپنے فرشتوں کے ذریعے مدد کی۔

[۹] دوسرا حیرت انگیز انکشاف یہ ہے کہ کلکی اوتار کا جنم کسی مہینے کی بارہ تاریخ کو ہوگا اور ہم جانتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔

[۱۰] ویدوں میں یہ بھی آتا ہے کہ کلکی اوتار ایک بہترین شہسوار اور شمشیر زن ہوں گے اور نبی کریمؐ کے اندر یہ دونوں خوبیاں ایک ساتھ موجود تھیں۔

مصنف اسی طرح متعدد دلائل اور انکشافات اپنے دعوے کے حق میں ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ کلکی اوتار در حقیقت نبی کریمؐ ہی ہیں اور وہ لوگ جو اب بھی کلکی اوتار کے منتظر ہیں انہیں اس سلسلے میں پھر سے غور کرنا چاہیے۔

بحوالہ "Sunday Standard"
Nairobi, Kenya

☆☆☆☆☆